آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر

جلد (۶) بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۷ء نمبر (۹)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ/

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۱/ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار الله اُردو	۸ر	قاعده عربی اُردو	ار	تذکرة الشهادتین اُردو	۵ر	شهادة القرآن ۔ اُردو	۴ر
اجرومیه عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ۵	" فارسی	۳ر	ضیان القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمۂ نماز و اسمائے الٰہیه	۲ر	مسک العارف اُردو	۱۰ر	تحفه قیصره اُردو	۲ر	کشف الغطاء "	۲ر
پاره الٓمّ عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفة الندوه "	۰ر	لغات القرآن حصہ اوّل	عہ
پنج ارکان اسلام اُردو	ار	واقعات صحیحه "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	عہ ۸ر
تفسیر جلالین عربی	عہ ۸ر	یسرنا القرآن حصہ اوّل	ار	تقریروں کا مجموعه "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اُردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	" دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۲ر	" لاہور مہوتسو "	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اُردو	۲ر	" سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثه "	۶ر	مشکوٰة الانوار عربی	۴ر
جام شہادت اُردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اُردو	۲ر	حمامة البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۴ر
شمائل مترجم ۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجة الاسلام اُردو	ار	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اُردو	۸ر	الحق لودیانه اُردو	۶ر	خطوط شیعه کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت ۔ اُردو	۳ر
سلسله دینیه ۔ اُردو	ٹر	" دہلی "	۸ر	خطبة الہامیہ بی ترجمہ فارسی اُردو	عہ	نور الدین حصہ اوّل "	۲ر
سلاسل القرأة ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی ۔ عربی	۳ر	خلافت راشده حصہ اوّل اُردو	۸ر	" " دوم "	۴ر
" " نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اُردو	۔ر	" " دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیه عربی	۲ر
" " نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	ار	خزینة المعارف حصہ اوّل و دوم	۴ر	فضل حق ۔ اُردو	ار
" " نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " " سوم و چہارم	۸ر	سیرة المسیح "	۸ر
آریه دھرم ۔ اُردو	۴ر	دعوت الحق "	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصله "	۲۰ر
دینیات کا پہلا رساله "	ار	شرح ترمذی ۔ نمبر۱ / " نمبر۲	عہ ۸ر / عہ ۸ر	دعوت دہلی ۔ اردو	۱۰ر	دفع البلاء "	ار
طریق النجات ۔ نمبر۱	۸ر	احمدی کامن نظم پنجابی	ار	دعوت الندوه "	۱۰ر	غنیة الطالب ۔ عربی	عہ
" " نمبر۲	۷ر	براہین احمدیه حصہ اوّل	۵ر	راز حقیقت "	ار	شفاء السقام "	عہ
" " نمبر۳	۸ر	" " دوم	۴ر	سرمه چشم آریه "	۱۲ر	نوٹ ۔ ان قیمتوں میں	
" " نمبر۴	۱۵ر	" " سوم	۱۰ر	ست بچن "	۱۰	محصولڈاک شامل نہیں۔	
عسل مصفّٰی اُردو	عہ ۸ر	" چہارم ۱۲ر / مکمل براہین	عہ / ے				

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۷- سبعۃ احرف اور اختلاف قرأت

اختلاف قرأت کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے دو طرح پر قرآن شریف کی حفاظت میں نقص کا ثبوت ملتا ہے۔ اول اس طرح پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قرأتوں کی اجازت دی تھی مگر چونکہ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا اس لیے ان کے ضائع ہونے سے گویا قرآن شریف کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا کیونکہ یہ قرأتیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی بتائی تھیں۔ اور دوسرے اس طرح پر کہ اب جو مختلف قرأتیں موجود ہیں انکو سامنے رکھکر ایک شخص کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ کونسی قرأتیں اصلی اور حقیقی طور پر کلام الٰہی ہیں اور کہ موجودہ قرآن کریم میں یونہی ایک قرأت کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ اعتراض ایک حد تک اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ سبعۃ احرف مذکورہ احادیث سے مراد قرأت متفرقہ لی جاتی ہیں اور حرف اور قرأت کے معنوں میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اس لیے سب سے پہلے سبعۃ احرف کی تشریح صفائی بیان کے لیے ضروری ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جو اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی دی تھی وہ قرآن شریف کو سبعۃ احرف یعنی سات حروف پر پڑھنے کی اجازت تھی۔ اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ احرف یا حرف کا ہی فرمایا ہے۔ سب سے پہلے اس لفظ کے لغوی معنوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ حرف کے معنے عربی لغاتوں میں یہ دیئے گئے ہیں زبان یا محاورہ یا طرز ادا جو بعض عرب اقوام کے ساتھ مخصوص ہو۔ تاج العروس میں مشہور حدیث کے اس ٹکڑے کو کہ نزل القرآن علی سبعۃ احرف بیان کر کے اس کے معنوں کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ای علی سبع لغات من لغات العرب یعنی قرآن شریف نازل ہوا سات لغتوں پر عرب کی لغتوں سے۔ یا اس کے معنے ہیں جیسا کہ بعض دوسری لغت کی معتبر کتابوں میں دیئے گئے ہیں سات طرزوں پر جو الفاظ کے ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ مثلاً یہ کہا جائے کہ

فلان یقرأ بحرف ابن مسعود تو مراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص ابن مسعود کی طرز ادا پر پڑھتا ہے۔ لفظ حرف کے ان معنوں سے یہ ظاہر ہے کہ جن اختلافات حروف کا ذکر بعض حدیثوں میں ہے وہ اختلاف اس وجہ سے پیدا ہوئے تھے کہ عرب کی مختلف قومیں بعض وقت ایک ہی لفظ کو مختلف طور پر ادا کرتی تھیں۔ اور اس کی مثالیں ہر زبان میں موجود ہیں کہ ایک قوم ایک لفظ کو ایک طرح پر ادا کرتی ہے اور اسی ملک کی دوسری قوم اس لفظ کو دوسری طرح پر ادا کرتی ہے۔

اب ہم ان تمام احادیث کو جن میں اختلافات حروف کا ذکر آیا ہے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی طور پر احادیث کا بھی یہی منشاء ہے۔ اسکے متعلق مندرجہ ذیل احادیث معتبر کتب احادیث سے لی گئی ہیں۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأنی جبریل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتی انتھی الی سبعۃ احرف (بخاری) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن شریف ایک حرف کے مطابق پڑھایا میں نے اس سے مراجعت کی یعنی بار بار اس بات کو دوہرایا کہ زیادہ حروف میں پڑھے پس وہ تعداد کو بڑھاتا گیا یہانتک کہ سات پر پہنچ گیا۔ یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ مسلم نے بیان کی ہے مگر اس میں اتنے الفاظ ابن شہاب کی روایت سے اور زیادہ ہیں۔ قال ابن شھاب بلغنی تلک السبعۃ الاحرف انما ھی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولا حرام۔ یعنی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایسے امر میں ہیں جو ایک ہی ہے (یعنی مختلف حروف میں پڑھنے سے معنوں میں کوئی تغیر نہیں آتا) اور اس سے حلال اور حرام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۲) عن عمر بن الخطاب یقول سمعت ھشام بن حکیم یقرأ سورۃ الفرقان فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستمعت لقرأتہ فاذا ھو یقرأ علی حروف کثیرۃ لم یقرئنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکدت اساورہ فی الصلوۃ فتصبرت حتی سلم فلببتہ بردائہ فقلت من اقرأک ھذہ السورۃ التی سمعتک تقرأ قال اقرأنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کذبت فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اقرأنیھا علی غیر ما قرأت فانطلقت بہ اقودہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی سمعت ھذا یقرأ بسورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئنیھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلہ اقرأ یا ھشام فقرأ علیہ القرأۃ التی سمعتہ یقرأ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القرأۃ التی اقرأنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک انزلت ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ

(بخاری) قریباً انہی الفاظ میں یہ روایت صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ ماحصل اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مَیں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان پڑھتے سنا جب مَیں اس کے پڑھنے کو غور سے سننے لگا۔ تو مَیں نے معلوم کیا کہ وہ بہت سے ایسے حروف پر پڑھتا ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ قریب تھا کہ مَیں نماز میں ہی اس پر حملہ کرتا۔ مگر مَیں نے اپنے آپکو روکے رکھا یہانتک کہ ہشامؓ نے سلام پھیرا۔ پھر مَیں نے انکی چادر انکے گلے میں ڈال لی اور کہا کہ یہ سورۃ جو مَیں نے تمہیں پڑھتے سنا ہے کس نے تم کو پڑھائی انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو پڑھائی۔ مَیں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان حروف کے غیر پر پڑھایا جن پر تم پڑھتے ہو پھر مَیں انکو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر چلا گیا اور عرض کیا کہ مَیں نے انکو یعنی ہشام کو ایسے حروف پر سورۃ فرقان پڑھتے سنا ہے جن پر آپنے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو اور فرمایا ہشام تم پڑھو انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو مَیں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح پر یہ نازل ہوئی۔ پھر فرمایا اے عمر تم پڑھو۔ مَیں نے اسی طرح پر پڑھا جس طرح آپنے مجھکو پڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے پس جو تم پر آسان ہو وہ پڑھو۔

(۳) عن ابن مسعود قال سمعت رجلا یقرأ وسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ خلافها فجئت به النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرته فعرفت فی وجهه الکراهیة فقال کلا کما محسن فلا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا (بخاری)۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک آدمی کو قرآن شریف پڑھتے سنا اور مَیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور طرح پر پڑھتے سنا تھا پس مَیں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ اور آپ کو اس بات کی خبر دی مَیں نے دیکھا کہ آپکے چہرہ پر ناراضگی کے آثار ہیں۔ آپنے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔ پس اختلاف مت کرو کیونکہ جو تم سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہو گئے۔

(۴) عن ابی بن کعب قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قراءة انکرتها علیه ثم دخل اخر فقرأ قراءة سوی قراءة صاحبه فلما قضینا الصلوة دخلنا جمیعا علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت ان هذا قرأ قراءة انکرتها علیه ودخل اخر فقرأ سوی قراءة صاحبه فامرهما النبی صلی اللہ علیه وسلم فقرأ فحسن شانهما فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذ کنت فی الجاهلیة فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانما انظر الی اللہ فرقا فقال لی یا ابی ارسل

الی ان اقرأ القرآن علی حرف فرددت الیه ان هون علی امتی فرد الی الثانیة اقرأه علی حرفین فرددت الیه ان هون علی امتی فرد الی الثالثة اقرأه علی سبعة احرف (مسلم) ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا تو ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا اور اس نے قرأت پڑھی جسپر مینے اعتراض کیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اسنے پہلے سے بھی اختلاف کے ساتھ قرأت پڑھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو چکے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مینے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک قرأت پڑھی جسکے متعلق مینے اسپر اعتراض کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا تو اسنے اس سے بھی مختلف قرأت پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا اور انہوں نے پڑھکر سنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرأت کو پسند فرمایا۔ اسپر میرے دل میں ایک ایسا تکذیب کا خیال یکایک گذرا کہ جاہلیت میں بھی ایسا خیال نہ گذرا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کیسا وسوسہ میرے دل میں گذرا ہے تو آپنے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرا پسینہ چلنے لگا۔ گویا مارے خوف کے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر آپنے فرمایا اے ابی مجھے ہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی حرف پر قرآن کو پڑھوں۔ پھر مینے اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری اُمت پر آسانی کی جاوے پھر دوبارہ مجھے یہ فرمایا گیا کہ دو حرفوں پر پڑھو۔ مینے پھر اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری اُمت پر آسانی کیجاوے پھر تیسری مرتبہ مجھے اجازت دیگئی کہ سات حرفوں پر پڑھ لو۔

(۵) عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امة امیین منهم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریة والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط - قال یا محمد ان القرآن انزل علی سبعة احرف (ترمذی) ابی بن کعب سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے ملے اور فرمایا اے جبرئیل میں اُمّی لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جنمیں بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد اور لڑکے اور لونڈیاں اور ایسے آدمی ہیں جنہوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی۔ جبرئیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن سات حرفوں پر اُتارا گیا ہے۔

(۶) عن ابی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عند اضاة بنی غفار فاتاه جبریل فقال ان اللہ یامرك ان تقرئی امتك القرآن علی حرف الحدیث (مسلم) مسلم کی اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سات حروف پر پڑھنے کی اجازت ملی تو آپ اضاة بنی غفار کے پاس تھے۔ باقی حدیث کا وہی مطلب ہے جو پہلے بیان ہوا۔

(۷) عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجئ اقوام یقیمونه کما یقام القدح یتعجلونه

ولا یتاجلونہٗ (ابوداؤد) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر آنکلے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہمارے درمیان اعرابی اور عجمی لوگ تھے آپنے فرمایا پڑھتے جاؤ سبھی ٹھیک پڑھ رہے ہیں اس کے بعد ایسی قومیں آئیں گی جو قرآن کو بڑی صفائی سے پڑھیں گی ایسی صفائی سے جیساکہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے مگر وہ اس کا اجر اسی زندگی میں تلاش کریں گی اور عاقبت کی پروا نہیں کریں گی۔

یہ چند احادیث ہیں جو قرائت مختلفہ کے متعلق آئی ہیں۔ ایک بات جس پر ان ساتوں حدیثوں سے متفقہ شہادت ملتی ہے۔ یہ ہے کہ جو کچھ اختلافات تھے وہ قرآن کریم کی عبارت کے اختلاف نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو مختلف طور پر پڑھنے یا ادا کرنیکے اختلاف تھے۔ اس بات کو صاف کرنیکے لیے ان چند امور کو جو ان احادیث سے پیدا ہوتے ہیں ایک ایک کر کے زیر بحث لانا ضروری ہے۔ سب سے پہلے جو اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور جس سے قطعی شہادت ان اختلافات کی حقیقت کے متعلق ملتی ہے وہ وقت کا سوال ہے یعنی اس امر کی تحقیق کرنا کہ سات حروف میں قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت کس وقت دیگئی۔ پس ان احادیث کو آگے رکھکر ہمنے یہ دیکھنا ہے کہ آیا سات حروف میں قرآن شریف کا نزول ابتدا سے ہی تھا۔ یا کسی خاص وقت کسی خاص ضرورت کے لحاظ سے اجازت حروف مختلفہ میں ادا کرنیکی بعد میں دیگئی۔ کیونکہ اگر جب سے نزول قرآن شریف کا شروع ہوا۔ اسی وقت سے سات حروف میں اس کا نزول تھا۔ تو اس میں ایک معترض کو اس اعتراض کی گنجایش نکل سکتی ہے کہ وہی سات حروف ہمیشہ کے لیے چلے آنے چاہئیے تھے اور اگر وہ ساتوں حروف ہم تک نہیں پہنچے تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کچھ حصہ قرآن شریف کا ضایع ہو گیا۔ لیکن اگر سات حروف کا نزول بعد میں ہوا اور ابتداءً قرآن شریف کا نزول ایک ہی حرف میں تھا تو ایسا اعتراض کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات حروف میں نزول کسی خاص ضرورت کی وجہ سے ہوا۔ اور ان سات حروف کو اصل قرآن شریف سے جیسا کہ وہ ابتدا سے نازل ہو رہا تھا کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ بعض ضرورتوں کی وجہ سے ایک وقت کے لیے بعض لوگوں کو ایسی اجازت دی گئی۔

استدلال اول زمانہ اجازت سات حروف کے متعلق چھٹی حدیث سے پیدا ہوتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضاۃ بنی غفار کے قریب تھے جب آپکو سات حروف پر قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دیگئی۔ اضاۃ بنی غفار ایک مشہور مقام مدینہ میں ہے۔ پس زمانہ کے متعلق اسقدر تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہوئی اسطرح سے مکہ میں جسقدر قرآن شریف آنحضرت پر نازل ہوا وہ ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور یہ ایسا قطعی اور یقینی نتیجہ ہے کہ کوئی دلیل اسے توڑ نہیں سکتی۔ مگر یہ امر کہ مدینہ میں کسوقت یہ اجازت ملی اسکی اس حدیث سے کچھ تعیین نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ در اصل یہ اجازت اسوقت دیگئی جب فتح مکہ کے بعد کثرت سے عرب لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے اور

مختلف قوموں کو قرآن کریم کے سکھانے کی ضرورت پیش آئی۔ جس سے اس اجازت کا زمانہ ہجرت نبوی کا نواں سال قرار پاتا ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جسکو بخاری اور مسلم دونوں نے قریباً یکساں لفظوں میں بیان کیا ہے اور جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم کے اختلاف کا ذکر ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہشام کو قرآن شریف کی ایک سورۃ پڑھتے سنا اور آپ اسکے پڑھنے سے بہت حیران ہوئے کیونکہ انکی قرأت میں اس قرأت سے جو ہمیشہ سے حضرت عمرؓ پڑھتے اور سنتے چلے آئے تھے بعض اختلاف تھے۔ جس تعجب سے حضرت عمرؓ نے حضرت ہشامؓ کی اس قرأت کو سنا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ پہلا ہی موقعہ تھا جو حضرت عمرؓ کو قرأت میں ایسے اختلاف کے سننے کا موقعہ ہوا۔ اب تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہشامؓ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے پس انکا سورۃ فرقان جیسی لمبی سورۃ پڑھنا اسکے بھی کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہونا چاہیئے کیونکہ مسلمان ہوتے ہی وہ ایک آدھ دن میں اتنی اتنی لمبی سورتیں یاد نہ کر سکتے تھے۔ کہ نماز میں انہیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس اسقدر تو یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ واقعہ جس کا حدیث میں ذکر ہے فتح مکہ کے کچھ مدت بعد کا ہے اور اس کا زمانہ نویں سال ہجرت سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت برسوں پہلے ہو چکی ہو مثلاً آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے ابتدا میں ہی ہو چکی ہو؟ یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایسی اجازت مل ہوا اسیوقت سے اسپر عمل بھی شروع ہوگیا ہو۔ اور اگر مثلاً اجازت ابتدائے مدنی زندگی میں ہی مل گئی ہو اور اسپر عمل نو سال بعد تک نہ ہوا ہو تو اس میں اور اس صورت میں کہ اجازت ہی نویں سال ہجری میں ملی ہو کچھ فرق نہیں۔ پس اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف سات حروف پر تو ابتدائی زندگی مدنی سے ہی پڑھا جاتا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو؟ اگر حضرت عمرؓ عرب کے کنارے کی قوموں میں سے ایک شخص ہوتے اور ایک آدھ دفعہ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لاکر پھر اپنے گھر میں چلے گئے ہوتے تو یہ ممکن تھا کہ اجازت سات حروف کی مدت سے مل چکی ہو اور انکو اطلاع نہ ہوئی ہو۔ مگر حضرت عمرؓ دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ اور اگر کبھی اپنے کاروبار بھی کرتے تھے اور غیر حاضری کا اتفاق ہو جاتا تو آپنے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ ایک اپنے ہمسائے کو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدیتے جو آپ کو تازہ وحی اور نئے امور سے اطلاع دیدیتے پس ایسے شخص کے متعلق یہ کسی صورت میں خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اگر سات حروف میں پڑھنے کی اجازت مل گئی ہو اور اسپر عمل بھی شروع ہوگیا ہو تو وہ برسوں یا مہینوں اس سے بیخبر رہے ہوں۔ ان تمام واقعات پر غور کر کے ہم اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت نویں سال ہجرت کے قریب ہوئی جب عرب کی مختلف قومیں کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں اور اس سے پہلے یہ اجازت نہ تھی یا اگر اجازت تھی تو اسپر قطعاً عمل نہیں ہوا۔ یعنی فی الواقع قرآن شریف کا مختلف حروف پر پڑھا جانا فتح مکہ سے پہلے ثابت نہیں ہے۔ اور جسقدر حدیثیں اس کے متعلق آئی ہیں انسے اشارتاً

اور کنایتاً بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فتح مکہ سے پہلے قرآن شریف سات حروف پر پڑھا گیا ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے سبعۃ احرف پر بحث کی ہے خواہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچے ہوں مگر اس امر کے وہ قائل ہیں کہ یہ اجازت اسوقت ملی جب عرب بکثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگے اور یہ فتح مکہ سے بعد کا زمانہ ہے۔

اس ساری بحث سے ایک اہم نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس سے سبعۃ احرف کی حقیقت پر ایسی روشنی پڑتی ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ تیرہ سال مکہ میں اور آٹھ سال سے زیادہ مدینہ منورہ میں یعنی اکیس سال تک قرآن شریف ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور ایک ہی طرز پر پڑھا جاتا رہا اور ایک ہی طرح پر لکھا جاتا رہا۔ نہ کوئی اختلاف قرأت تھا اور نہ قرآن شریف کی کسی عبارت میں مختلف حروف کا وجود تھا۔ یہی اصل قرآن شریف ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر پڑھتے رہے پڑھاتے رہے اور لکھواتے رہے یہی وہ قرآن شریف ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے تحریر میں جمع کرایا یہی وہ قرآن شریف ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے اطراف میں بھیجیں اور یہی وہ قرآن شریف ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جسطرح اکیس سال تک کسی دوسرے حرف یا قرأت کا وجود نہ تھا اسی طرح اس قرآن شریف میں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور وہ ایک ہی قرآن شریف ہے جو ساری اسلامی دنیا میں شایع ہو رہا ہے اس میں بھی نہ کوئی اختلاف قرأت ہے، اور نہ اختلاف حروف ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی عبارت وہی عبارت ہے جو اکیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ پس جو قرأتیں چھوڑی گئیں وہ اصل میں قرآن شریف کا جزو نہ تھیں بلکہ ایک خاص وقت اور ایک خاص ضرورت کے لیے انکی اجازت دیگئی تھی۔ اس کے متعلق میں اور شہادتیں بھی پیش کرونگا مگر جہانتک نے مانہ اجازت کے سوال سے کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اس سے صاف شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ اکیس سال تک مختلف حروف اور قرأتوں کا سوال ہرگز نہیں اُٹھا۔ ایک ہی حرف پر قرآن شریف نازل ہوتا تھا اور ایک ہی قرأت تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس اکیس سال کے زمانہ میں قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قریباً قریباً سارا ہی قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ پس ایک ایسے وقت میں جبکہ مختلف اقوام کثرت کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں مختلف حروف میں قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دینا صاف بتا رہا ہے کہ یہ اجازت صرف انہی قوموں کی وجہ سے تھی۔ اور اس سے اصل عبارات قرآنی میں کوئی تغیر تبدل نہیں آیا۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اختلافات حروف عبارتوں یا جملوں کے اختلاف نہ تھے بلکہ ایسے اختلاف تھے جو ایک ہی لفظ کے بولنے میں مختلف قوموں کے درمیان پیدا ہونے لازمی ہیں۔ یہ قومیں زبان تو عربی ہی بولتی تھیں مگر جیسا کہ ہر ایک زبان کا قاعدہ ہے خصوصاً جہاں علم کا عام رواج نہ ہو اور لوگ پڑھے ہوئے نہ ہوں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اصل محاورہ سے کچھ فرق پڑ جاتا ہے ایسا ہی ان قوموں کے محاورہ میں یعنی بعض الفاظ کو ادا کرنیکے طریق میں تھوڑا تھوڑا فرق تھا۔

ایسے اختلافات کی بعض مثالیں پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔ مثلاً لفظ حتّٰی جو اصل لفظ ہے اور محاورہ قریش کے مطابق ہے اسے ثقیف اور ہذیل عتی پڑھتے تھے۔ ایسے ہی اور بعض اختلافات کی مثالیں دیکھی ہیں (دیکھو فتح الباری) مثلاً اسدی تعلمون ت کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ بعض قومیں ماء غیر آسن کی جگہ ماء غیر یاسن پڑھتی تھیں اور ایسا ہی بعض قومیں ایسے الفاظ میں ہمزہ پڑھتی تھیں جہاں دوسری نہ پڑھتی تھیں۔ یہ سارے ایسے فرق ہیں جو ہر جگہ پر اور ہر زبان میں اختلاف محاورہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی کی تائید میں بعض اور شہادتیں بھی ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں یہ مذکور ہے۔ ونقل ابو شامۃ عن بعض الشیوخ انہ قال انزل القراٰن اولا بلسان قریش ومن جاورھم من العرب الفصحاء ثم ابیح للعرب ان یقرؤہ بلغاتھم التی جرت عادتھم باستعمالھا علی اختلافھم فی الالفاظ والاعراب ولم یکلف احد منھم الانتقال من لغتہ الی لغۃ اخری للمشقۃ ولما کان فیھم من الحمیۃ ولطلب تسھیل فھم المراد کل ذٰلک مع اتفاق المعنی۔ یعنی ابوشامہ نے ایک بزرگ سے یہ نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اول نزول قرآن کریم کا زبان قریش میں اور ان فصیح عربوں کی زبان میں تھا جو انکی ہمسائگی میں رہتے تھے۔ پھر دوسری عرب قوموں کے لیے یہ اجازت دی گئی کہ اسے اپنی لغات یعنی محاورہ میں جس کے استعمال کے وہ شروع سے عادی تھے پڑھ لیا کریں باوجود انکے اختلاف کے الفاظ میں اور اعراب میں اور ان میں سے کسی کو اس بات پر مجبور نہ کیا گیا کہ وہ اپنے محاورہ کو چھوڑ کر دوسرے کا محاورہ اختیار کرے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا انکے لیے بہت دشوار تھا۔ اور ان میں اپنے اپنے محاوروں کے لیے حمیت بھی تھی۔ اور اس سے معنوں کے سمجھنے میں بھی انکے لیے آسانی تھی۔ اور یہ سب کچھ اتفاق معنی کے ساتھ تھا یعنی یہ اختلافات محاورہ انکے ایسے نہ تھے جنسے معنوں میں کچھ بھی فرق پڑتا ہو۔ یہ نقل بھی ہمارے اس نتیجہ کی مؤید ہے جو زمانہ اجازت قرأت حروف مختلفہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اگر ان احادیث پر جو اوپر سبعۃ احرف کے متعلق نقل کی گئی ہیں غور سے نظر کیجاوے تو ان سے بھی اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اس اجازت کے دینے کی غرض کیا تھی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ھون علی امتی۔ میری امت پر آسانی کر جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ بعض لوگوں کو قریش کے محاورہ میں سارے الفاظ ادا کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں انکے لیے آسانی کی درخواست کی کہ وہ اپنے محاورہ میں ہی ان الفاظ کو ادا کر لیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا ان امتی لا تطیق ذٰلک۔ یعنی میرے لوگ اس بات کی برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ سب ایک ہی حرف میں قرآن شریف کو پڑھ سکیں۔ ایک تیسری حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا ان لوگوں میں بعض بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اور بچے اور ناخواندہ لوگ ہیں

غرض یہ تھی کہ یہ لوگ ایسے اپنے محاورہ کے عادی ہوگئے ہیں کہ دوسرے محاورہ میں الفاظ ادا نہیں کرسکتے جس طرح پر ایک لفظ کو بولنے کی عادت ہوگئی ہے اسی طرح پر اسے بول سکتے ہیں۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوتے تو قریش کی فصیح اور علمی زبان میں ہر ایک لفظ کو آسانی سے ادا کرسکتے مگر چونکہ امی لوگ تھے ایسا نہ کرسکتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی انکو تکلیف میں نہ ڈالا۔ بلکہ یہ اجازت دی کہ جس طرح وہ کسی لفظ کو بولنے کے عادی ہوگئے ہیں اسی طرح پڑھ لیا کریں۔ اور بخاری کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فاقرءُ(ا) ما تیسر منہ یعنی جس طرح پر تمھارے لیے آسانی ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو اس سے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر ایک پانچویں حدیث ہے کہ اعرابی اور عجمی سب لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا سب ہی خوب پڑھ رہے ہیں۔ اور ایک ایسی قوم کی مذمت کی کہ لفظوں کو تو بہت سنوار سنوار کر ادا کریں گے مگر معنوں تک نہیں پہنچیں گے۔

ایک اور بات جس سے سبعۃ احرف کی بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہوئے تھے ان میں اس قسم کے اختلافات کا کچھ تذکرہ نہیں پایا جاتا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف قرأت نہیں دکھایا جاسکتا۔ مسلمانوں میں سے سابقین کے اندر ایسے اختلافات کا نہ پایا جانا بھی صاف طور پر یہی بتا رہا ہے کہ اجازت مختلف حروف میں پڑھنے کی خاص اغراض کیلیے تھی اور اس ہی اصل عبارت قرآنی میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا قرآن کریم کا نزول لسان قریش میں ہوا کیونکہ انہی کی زبان علمی اور پُر از فصاحت و بلاغت سمجھی جاتی تھی۔ دوسری قوموں کے محاورے محض اس اصل زبان کا کسی کسی لفظ میں بگاڑ تھا مگر ان لوگوں کے لیے جو ایسے الفاظ کو اپنی قوم کے محاورہ کے مطابق ادا کرنیکے عادی ہوگئے تھے۔ ان الفاظ کو زبان قریش کے محاورہ میں ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ اور چونکہ ہر ایک مسلمان کیلیے کچھ نہ کچھ حصہ قرآن کریم کا جاننا ضروری تھا خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور خواہ بوڑھا ہو یا بچہ۔ کیونکہ نماز ہر ایک مسلمان پر فرض تھی اور نماز میں قرآن شریف لازمی طور پر پڑھا جاتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو جو یکایک اپنے محاوروں میں اس قسم کا تغیر پیدا کرنیکے ناقابل تھے کہ ہر ایک لفظ کو صحیح طور سے قریش کے محاورہ پر ادا کرسکیں یہ اجازت دی گئی جس کی بنا وحی الٰہی پر تھی کہ وہ بعض الفاظ کو اسی طرح پر ادا کرلیں جس طرح اپنے محاورہ میں کہتے تھے۔

یہ سوال کہ مختلف محاورات یا لغتیں محاورہ قریش سے اور آپس میں کس قدر مختلف تھیں اب اس پر بحث کرنیکی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن جیساکہ کئی مثالیں دیکر پہلے بھی بیان کیا گیا ہے یہ اختلافات نہایت خفیف تھے۔ تاریخی شہادت جہانتک میسر آسکتی ہے وہ بھی اس نتیجہ کی مؤید ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ جیساکہ ایسے محاورات میں بعض اوقات ہوجاتا ہے بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ انکا قائم مقام دوسرے محاورہ میں کوئی اور لفظ ہوتا ہے۔ اس لیے جب قرآن کریم کو دوسرے حروف پر یعنی دوسرے محاوروں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دیگئی ہوگی۔ تو اس طرح سے کسی لفظ کو دوسرے محاورہ میں اس کے ہم معنی لفظ سے ادا کرنیکی اجازت بھی

دیدی گئی ہو گی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مختلف حروف سے مراد ایک معنی کو مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا۔ اگرچہ یہ انہوں نے محض قیاس سے لکھا ہے اور حضرت عمرؓ اور ہشام والی حدیث سے دھوکہ کھایا ہے لیکن ممکن ہے کہ ایسی کوئی مثال بھی انکے ذہن میں ہو۔ کہ ایک محاورہ میں ایک معمولی لفظ کو دوسرے محاورہ میں اسکے ہم معنی لفظ سے جہاں پہلا لفظ اس دوسرے محاورہ میں موجود نہ ہو ادا کرنیکی اجازت دیگئی اور اس سے انہوں نے ایک عام قاعدہ بنا لیا۔ علاوہ ان مثالوں کے جو اوپر بیان ہوئیں اور جو ظاہر کر رہی ہیں کہ اختلاف احرف عموماً نہایت خفیف اختلافات تھے جو بعض الفاظ کو خاص طرز پر ادا کرنیکی وجہ سے یا اعراب میں کسی قدر فرق کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے خود قیاس بھی اس بات کو چاہتا ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی معمولی اختلاف تھے جیسے ایک ہی ملک کے رہنے والے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے لوگوں میں بعض وقت پائے جاتے ہیں۔ آخر ان سب قوموں کی زبان عربی ہی تھی اور اسی زبان میں وہ شعر کہتے تھے جن میں باہم ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور باہمی انکا میل جول بھی بہت ہوتا تھا اور میلے لگا کرتے تھے جہاں وہ سب اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہ سب باتیں اسی نتیجہ کی مؤید ہیں کہ اختلافات احرف نہایت خفیف قسم کے اختلافات تھے۔

اعتراض اسپر یہ کیا گیا ہے کہ اگر واقعی یہ اختلافات ایسے ہی خفیف ہوتے تو صحابہؓ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اسقدر سختی کیوں کرتے جیسا کہ مثلاً حضرت عمرؓ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے اول تو نماز میں ہی ہشام کو روکنا چاہا اور پھر آخر انکی گردن میں چادر ڈالکر انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لیگئے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تب تک انہیں چھوڑا نہیں۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کوئی بہت بھاری اختلاف ہو گا جس سے معنوں میں بھی تغیر آتا ہو گا جو حضرت عمرؓ نے ہشام کے ساتھ اسقدر سختی کا برتاؤ کیا جیسے کسی بڑے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض نادان یا مجنون معترض تو یہانتک کہنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں کہ ہشام کی قرأت حضرت عمرؓ کی قرأت سے اسقدر اختلاف رکھتی تھی کہ دونوں گویا الگ الگ عبارتیں تھیں۔ اگر درحقیقت ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ کو یہ کیونکر پتہ لگ گیا کہ حضرت ہشام سورہ فرقان پڑھ رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے انکی قرأت کو سنتے ہی پہچان لیا۔ رہی یہ بات کہ اسقدر اختلاف تھا جس سے معنوں میں بھی اختلاف ہوا ہو گا ورنہ حضرت عمرؓ سختی نہ کرتے۔ یہ قیاس بھی غلط ہے کیونکہ احادیث میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ اختلاف قرأت ایسا نہ تھا جس سے معنوں میں بھی کچھ اختلاف ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کے ایک ایک لفظ اور حرف اور حرکت کے لیے ایسے محتاط تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرق کو بھی وہ برداشت نہ کر سکتے تھے انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ قرآن شریف کے معنے سمجھ لینے ہی کافی ہیں بلکہ وہ اسکے الفاظ اور حروف اور حرکات کو منجانب اللہ سمجھکر اور خدا کا کلام یقین کر کے محافظت کرتے تھے۔ پس وہ اسقدر ادنیٰ اختلاف کو بھی جو اختلاف حروف سے پیدا ہوا برداشت نہ کر سکے جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے انہوں نے سن نہیں لیا کہ یہ اجازت محض ایک ضرورت کیلئے دیگئی ہے انہوں نے صبر نہ کیا جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انکو یہ سمجھا نہیں دیا کہ ان قوموں کیلیے جو الگ محاورہ بولتی ہیں بعض الفاظ کا قریش کی محاورہ پر ادا کرنا سخت مشکل ہے اس لیے خود اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ دوسرے حروف یعنی محاوروں میں بعض الفاظ کو پڑھ لیں۔ غرض کہ حضرت عمرؓ کی ناراضگی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسوقت تک انکو یہ علم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دوسرے حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اس لیے وہ کسی تھوڑی سے تغیر و تبدل کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

ایک اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ہشام دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے پس اگر اختلاف حروف محض اختلاف محاورہ سے ہی پیدا ہوتے تو حضرت عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ان میں اختلاف ہوا اس سے ہمارے بعض علماء نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ اختلافات حروف سے مراد ایک ہی معنی کا مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا اور بعض معترضین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اختلاف حروف قرآن شریف کی عبارتوں کا اختلاف تھا۔ مگر محض عمرؓ اور ہشام کے ہم قبیلہ ہونے اور پھر اختلاف قرأت کے ہو جانے سے ایسے نتایج نکالنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ اوّل تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب بذریعہ وحی سات حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت ہو گئی تو یہ اجازت خاص خاص اقوام سے مخصوص نہ رہ سکتی تھی۔ قرآن کریم ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام صحابیوں کو نہ سکھلاتے تھے بلکہ بعض صحابی بھی بعض کو سکھاتے تھے اور اسطرح ایک قوم کی خصوصیات دوسری قوم میں جا سکتی تھیں دوئم یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص طرز پر جو دوسری قوم میں مروج ہے ادا نہ کر سکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دوسری قوم بھی پہلی قوم کی طرز پر اس لفظ کو ادا نہیں کر سکتی۔ یہ بات مثال سے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاویگی۔ ہذیل اور ثقیف حتّٰی کی بجائے عتی پڑھتے تھے۔ حتّٰی قریش کے محاورہ میں تھا اور اسکی بجائے انکی محاورہ میں عتی تھا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قریش عتی نہ بول سکتے تھے۔ اگرچہ عام طور پر وہ حتّٰی ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا مگر وہ اگر چاہتے تو عتی بھی پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ابن مسعود حتی حین کی بجائے بموجب محاورہ ہذیل اور ثقیف عتی حین پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے انکو منع بھی کیا تھا کہ ہذیل کی لغت میں قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھاؤ بلکہ قریش کی لغت میں پڑھاؤ۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ کو ادا کرنیکے عادی ہو گئے تھے کیونکہ مکہ معظمہ میں جو انکا صدر مقام تھا مختلف قوموں کے لوگ ہر سال موسم حج میں اور میلوں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا۔ اور علاوہ ازیں علمی مناظرے اور مقابلے بھی باہمی ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورہ سے واقفیت پیدا کرنی

لازمی ہوگئی تھی۔ اب ہشامؓ جب مسلمان ہوئے تو یہ وہ وقت تھا جب فتح مکہ کے بعد فوج در فوج عرب کی قومیں اسلام میں داخل ہو رہی تھیں۔ اور غالباً حضرت ہشام نے سورہ فرقان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے وقت سنا جب آپ کسی قوم کو پڑھا رہے تھے۔ اور اسی طرح پر انہوں نے یاد کر لیا اور چونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ فاقرؤا ما تیسر منہ یعنی جس طرح آسان ہو اسی طرح پڑھ لو اس لیے حضرت ہشام نے قریش کے محاورہ کے مطابق اسے ادا کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس طرح پر پڑھنے سے منع فرمایا جس طرح وہ پڑھ رہے تھے۔ ان واقعات سے ناظرین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں ہشام اور حضرت عمرؓ میں باوجودیکہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے اختلاف ہوا۔ حضرت عمرؓ اس زمانہ میں قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ چکے تھے جب ایک ہی حرف پر قرآن شریف پڑھا جاتا تھا۔ اور ہشام نے ایسے وقت سیکھا جب دوسری قوموں کی اسلام میں کثرت کے ساتھ داخل ہونے سے انکو انکے اپنے محاورہ کے مطابق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف پڑھانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ پس یہی وجہ اختلاف کی تھی۔

سات حروف میں پڑھنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ سات طرز پر پڑھا جاتا تھا۔ بلکہ مطلب قرآن شریف کے سات حروف پر اتارا جانے کا صرف یہ ہے کہ جن محاورات میں پڑھے جانے کی اجازت تھی وہ سات تھے یا یوں کہو کہ ایک لفظ کی مختلف قرأتیں جو اختلاف محاورہ سے پیدا ہوتی تھیں وہ سات لغتوں میں سے ایک میں ہوتی تھیں۔ یہ اختلافات تعداد میں بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتے کیونکہ حدیث میں جسقدر اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اگر اختلاف بہت سے ہوتے تو احادیث میں ضرور انکا ذکر زیادہ ہوتا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہت سی قرأتیں بعض مفسرین اسوقت بھی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ قرأتیں اور سبعۃ احرف ایک چیز نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سبعۃ احرف والی قرأتیں بہت تھوڑی اس لیے ہم تک پہنچی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے انکا قرآن شریف میں لکھنا بند کر دیا تھا۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جو چیزیں احادیث میں محفوظ ہو کر آئی ہیں ان میں سے کوئی بھی لکھی ہوئی نہ تھی۔ اور ہزارہا واقعات بغیر معرض تحریر میں کبھی آنیکے احادیث میں پوری طرح سے محفوظ ہیں۔ اختلاف کے کم ہونیکی وجہ ان قوموں کا باہمی میل جول تھا جو اکثر میلوں مجلسوں۔ مشاعروں اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ ہوتا رہتا تھا۔ اور انہی تعلقات کا یہ نتیجہ تھا کہ انکے اختلاف بڑھنے نہ پاتے تھے۔ سات لغات جن میں قرآن شریف کے بعض الفاظ کو ادا کرنیکی اجازت دیگئی تھی وہ تھیں جو عرب میں افصح ترین تھیں مگر بعض کا خیال یہ ہے کہ سات سے انحصار تعداد مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علاوہ محاورہ قریش کے جس میں قرآن شریف کا نزول ہو رہا تھا کچھ اور محاورات بھی ایسی تھے جن میں بعض الفاظ قرآنی کو ادا کرنیکی اجازت دیگئی تھی۔

جسقدر بحث اوپر ہو چکی ہے اس سے ایک بے تعصب انسان کے دل کو تسکین دینے والی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ وہ

اختلافات قرأت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سبعۃ احرف سے پیدا ہوئے تھے وہ قرآن کریم کا جزو نہ تھے نہ اس کی اصل عبارتوں میں داخل تھے۔ بلکہ جو ضرورت انکی اجازت کیلئے پیدا ہوئی تھی وہ ایک مقامی ضرورت تھی اور تھی بھی عارضی۔ قریباً کل کا کل قرآن شریف اس اجازت سے پہلے نازل ہوچکا تھا جسقدر زیادہ غور ان قرأتوں پر ہم کرتے ہیں اسی قدر زیادہ اطمینان اس نتیجہ کے متعلق حاصل ہوتا ہے کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت محض بعض قوموں کی آسانی کے لیے تھی۔ اور اس سے اصل قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں آیا۔ بلکہ قرآن شریف وہی تھا اور ہمیشہ وہی رہا ہے جو ابتداء سے نازل ہوا تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود جب نماز جماعت میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو آپ بھی ان حروف میں نہ پڑھتے تھے جن میں بعض دوسرے لوگ پڑھ لیتے تھے بلکہ آپ ہمیشہ قرآن شریف کو اسی طرح نمازوں میں پڑھتے ہے جسطرح یہ اصل میں نازل ہوچکا تھا۔ اس نتیجہ کو ان واقعات سے بھی تائید ملتی ہے کہ حضرت ابیؓ اور ابن مسعودؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں نے جب کسی دوسرے حرف پر قرآن شریف کسی کو پڑھتے سنا تو وہ بہت متعجب ہوئے اور گھبرائے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ان دوسرے حروف میں سے کسی پر قرآن شریف پڑھتے تو ان جلیل القدر صحابہؓ کو جو اکثر پانچوں نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے خود اطلاع مل جاتی اور پھر دوسرے لوگوں کو پڑھتے سنکر انہیں تعجب نہ آتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے بھی کہ نمازوں میں آپ قرآن شریف کو اسی طرح پڑھتے رہے جسطرح وہ کلام پاک ابتدا میں نازل ہوچکا تھا یہ ثبوت ملتا ہے کہ دوسرے حروف کی غرض محض ایک خاص غرض تھی اور اس سے اصل عبارت قرآنی میں نہ کوئی کمی بیشی ہوئی اور نہ کوئی تغیر تبدل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ایک اور شہادت بھی اسی کی مؤید ہمیں ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ قرآن شریف کو جب لکھواتے تھے تو تب بھی اسی نزول کے مطابق لکھواتے تھے جو قرآن کریم کا پہلا اور اصلی نزول تھا۔ اور جو حصص قرآن کریم کے سبعۃ احرف کی اجازت کے بعد بھی نازل ہوئے تو وہ بھی آپنے لسان قریش کے مطابق ہی لکھائے کیونکہ اصل نزول قرآن شریف کا اسی زبان میں تھا۔ یہی وجہ تھی جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کریم کے کام پر مامور کیا تو انکو یہ ارشاد فرمایا کہ اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہیں انہیں اکٹھا کریں کیونکہ وہ مطمئن تھے کہ ان تحریروں میں قرآن شریف کسی دوسرے حرف کے مطابق نہیں لکھا گیا بلکہ جسطرح پر قرآن کریم کو محفوظ رکھنے کا منشاء وحی الٰہی کا تھا اسی طرح پر لکھا گیا ہے اور دوسرے حروف کو آپنے تحریر میں کوئی دخل نہیں دیا۔ قراء سے تو ایسا ممکن تھا کہ باوجود قریش ہونیکے ان میں سے کسی نے کوئی دوسرا حرف کسی موقع پر اختیار کرلیا ہو جیسا کہ ابن مسعود کے حال سے معلوم ہوتا ہو مگر تحریر میں یہ بات ممکن نہ تھی۔ پس ایک طرف تحریر میں قرآن شریف کو اسی طرح محفوظ رکھنا جو اسکا پہلا نزول تھا اور دوسری طرف خود نمازوں میں اسی قرأت کو پڑھنا جو پہلے نزول کے مطابق تھی یعنی لسان قریش

میں یہ دو اور نہایت زبردست شہادتیں اس بات پر ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت دینے سے آپ کا یہ منشاء کبھی نہ تھا اور نہ ہی وحی الٰہی کا یہ منشاء تھا کہ وہ دوسری قرأتیں بھی ہمیشہ کے لیے جزو قرآن کریم سمجھی جاویں بلکہ وہ ایک خاص ضرورت تھی اور اصل الفاظ قرآنی وہی تھے جن میں شروع سے یہ پاک کلام نازل ہو رہا تھا۔

اس قدر بحث کے بعد اب ہم اعتراض اول پر غور کرتے ہیں جس کا ذکر شروع مضمون میں کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مختلف حروف یا قرأتوں کی اجازت دی ان کی حقیقت ہم کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ یہ صرف ایک وقتی ضرورت کیلیے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ انکو تحریر میں لایا جاوے نہ ہی کبھی خود جماعت کراتے وقت ان قرأتوں کو اختیار کیا حالانکہ آپ پر وہ نازل ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں باوجودیکہ قرآن کریم کو سات حروف میں پڑھنے کی اجازت وحی الٰہی سے تھی اور ان سب قرأتوں کو نازل شدہ ہی بیان کیا گیا ہے مگر پھر بھی قرآن شریف کے متعلق جب عام طور پر ذکر کیا جاتا تھا تو یہی کہا جاتا تھا کہ قرآن کریم لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کو لکھا تھا کہ قرآن شریف کو لغت ہذیل میں مت پڑھاؤ کیونکہ نزول قرآن شریف کا لسان قریش میں ہے۔ اب حضرت عمرؓ خوب اس بات سے اطلاع رکھتے تھے کہ سات حروف پر قرآن شریف کا نزول ہوا ہے کیونکہ خود انہی کو حضرت ہشام کے ساتھ اختلاف کا واقعہ بھی پیش آیا تھا پھر باوجود اس علم کے یہ لکھنا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے اسکو لغت ہذیل مت پڑھاؤ کیا معنے رکھتا ہے؟ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہؓ خوب سمجھتے تھے کہ دیگر حروف میں نزول سے کیا مراد ہے اور کہ وہ ایک خاص وقت اور خاص ضرورت کے لحاظ سے ہے اور اس سے اصل نزول قرآنی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اسی طرح پر جب حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے نسخے بغرض اشاعت بہ بلاد متفرق لکھوانے شروع کیے تو آپ نے بھی کاتبوں کو یہی ہدایت دی کہ جب کسی لفظ کی طرز تحریر میں اختلاف ہو کیونکہ کتابت پر کئی شخص مامور تھے تو اسے لسان قریش میں لکھا جائے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت زیدؓ مدینہ کے رہنے والے تھے اور ان کی طرز تحریر ممکن تھا کہیں قریش سے اختلاف رکھتی ہو جیسا کہ ان نسخوں کے لکھنے وقت بھی تابوت کی طرز تحریر پر اختلاف ہوا اور آخر اسی طرز پر یہ لفظ لکھا گیا جس طرح قریش لکھتے تھے اور فیصلہ کرتے وقت پھر حضرت عثمانؓ نے یہی فرمایا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اور تمام صحابی اس میں انکے ساتھ متفق تھے۔ کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان تمام صحابہؓ کو یہ پتہ نہ تھا کہ قرآن شریف کا نزول بعض دیگر حروف پر بھی ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے کسی لفظ کے پڑھے جانے سے کیا مطلب ہے اور اس کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسی لیے آپ نے نہ عام نمازوں میں کسی دوسرے حرف کی قرأت کو اختیار کیا نہ تحریر میں اس کو آنے دیا اسی طرح پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان اختلافات حروف کی حقیقت کو خوب

سمجھتے تھے۔ قرآن شریف جس طرح دیگر حروف کی اجازت سے پہلے ایک ہی تھا اسی طرح اس اجازت کے بعد بھی ایک ہی رہا اور اس میں کوئی فرق کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی صحابی نے خیال نہیں کیا کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے نزول سے نزول اول میں جو لسان قریش میں تھا کچھ ابزادی ہو گئی ہے یا کچھ تغیر تبدل ہو گیا ہے۔ بس وہی قرآن شریف آج ہمارے ہاتھوں میں ہے جو دیگر حروف کی اجازت سے پہلے تمام صحابہؓ پڑھتے اور لکھتے تھے اور جو دیگر حروف کی اجازت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازوں میں پڑھا اور لکھوایا۔ اسی قرآن شریف کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا اور کوئی قرأت دوسرے حروف کی اس میں اسوقت بھی درج نہیں کی گئی نہ ہی کسی صحابی نے اسوقت یہ اعتراض کیا پھر اسی سے حضرت عثمانؓ نے نقلیں کرائیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ والے صحف میں دوسرے حروف کی کوئی قرأت نہ تھی تو حضرت عثمانؓ نے یہ حکم کیوں دیا کہ جب جماعت قریش اور زید بن ثابت کسی بات میں اختلاف کریں تو اسے لسان قریش میں لکھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں طرز تحریر کا ذکر ہے نہ قرأت کا چونکہ اول لکھنے والے زید رضی اللہ عنہ تھے اور وہ مدنی تھے قریش نہ تھے۔ اس لیے اب جو قرآن شریف لکھا گیا جسکی اشاعت تمام بلاد میں ہونی تھی تو اس میں یہ احتیاط بھی کر لی گئی کہ طرز تحریر قرآن کریم کا بھی بالکل قریشی طرز پر ہو۔ چنانچہ ایک ہی اختلاف جو اسوقت زید بن ثابت اور قریشیوں میں ہوا وہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق تھا۔ لفظ تابوت اس سورۃ میں واقع ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت زیدؓ کاتب الوحی کا کام کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی طرز پر لکھ لیا۔ مکی سورتوں میں کسی ایسے اختلاف طرز تحریر کا ذکر نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھنے والے سب وہی لوگ تھے جو قریش میں سے تھے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے تمام اصلی تحریریں اکٹھی کی تھیں۔ اسقدر اور بھی دوبارہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف جو لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق پیدا ہوا صرف اسقدر تھا کہ یہ لفظ لمبی ت کے ساتھ لکھا جاوے یا گول ۃ کے ساتھ اس سے قرأت کا اختلاف ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

اب ہم قطعی اور یقینی شہادت کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان ٹکڑوں کو جلانے کا حکم دینے سے جو بے احتیاطی سے کسی صحابی نے کسی دوسرے حرف پر لکھ لیے ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی حصہ قرآن شریف کا نہیں جلایا یا ضایع کیا۔ اگر انہوں نے اختلافات حروف کو قطعی طور پر نیست و نابود بھی کر دیا تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے قرآن شریف کے ایک حصہ کو ضایع کر دیا کیونکہ یہ حروف قرآن شریف کا جزو کبھی نہیں تھے۔ اور اس لیے کسی ایسے لفظ کے مروج نہ رہنے سے جو قرآن شریف کا جزو کبھی نہ تھا یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن شریف کا ایک حصہ گم ہو گیا یا تاویل القرآن کے مجنون معترض کی طرح یہ بڑ ہانکنا کہ قرآن شریف کا ایک بہت بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو کچھ رہ گیا وہ اسکی یادگار ہے پرلے درجہ کی نادانی اور حماقت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کونسی نئی کارروائی کی ؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے

جو کچھ کیا وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے بھی کیا تھا۔ اگر دیگر حروف کی قرأتیں قرآن شریف کا جزو تھیں تو آنحضرتؐ نے خود یہ حکم کیوں نہ دیا کہ جس طرح کاتب اصل نزول قرآن کریم کو لکھتے ہیں اسی طرح دیگر حروف کی قرأتوں کو لکھیں؟ کیوں نمازوں میں جماعت کرانے وقت کبھی کسی حرف کی قرأت اور کبھی کسی کی قرأت نہ پڑھی؟ پھر حضرت ابو بکرؓ نے جب تحریری جمع قرآن کا حکم دیا تو کیوں انھوں نے یا کسی صحابی نے یہ تجویز پیش نہ کی کہ ساتوں حروف پر الگ الگ قرآن شریف جمع ہونے چاہییں یا ساتوں حروف کی قرأتیں ایک ہی مجموعہ میں داخل کی جاویں؟ کیوں اصل تحریر ہی جمع کرنے کا حکم دیا گیا؟ جس سے یہ غرض تھی کہ مجموعہ مصحف میں کوئی دیگر حروف کی قرأت داخل نہ ہو جاوے۔ پھر حضرت عمرؓ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ابن مسعود کو لکھتے ہیں کہ ہذیل کی لغت پر قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھائیے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ پس انہی کے نقش قدم پر حضرت عثمانؓ چلے اور انہوں نے بھی حروف مختلفہ کی قرأت کو قرآن شریف میں داخل نہ ہونے دیا ہاں ساتھ یہ بھی اہتمام کیا کہ جو ایسے نسخے لوگوں نے خود لکھ لیے تھے جن میں بعض دیگر حروف کی قرأتیں لکھ لی تھیں یا کوئی اور غلطی ... ہو گئی تھی کیونکہ کافی احتیاط نہ کی گئی تھی ان تمام نسخوں کو جلا دیا جاوے اور اس طرح کرنے میں بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے منشا کو پورا کیا۔ جو واقعات اس وقت پیش آئے اور جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے یہ کارروائی کی وہ تفصیلاً دوسری جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ اسلام اس زمانہ میں عرب سے باہر دور دراز ملکوں میں پھیل چکا تھا۔ اور بلاد متفرقہ کے لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کو قرآن کریم سکھانا عرب کی اقوام کو ابتدائے اسلام میں قرآن کریم سکھانے سے ایک الگ رنگ رکھتا تھا۔ عرب کے لوگوں کی تو بولی ہی عربی تھی اور انکے لیے قرآن کریم سیکھنا ایک آسان امر تھا مگر اس آسانی کے ساتھ ابتدا میں ایک مشکل بھی ملی ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ بعض ان اقوام کے لہجے الگ تھے اور وہ لوگ بچپن سے بعض الفاظ کو خاص طرح پر پڑھنے کے عادی ہو گئے تھے اور یکایک اپنے لہجہ اور طرز ادا میں تبدیلی کرنا انکے لیے سخت مشکل تھا۔ مگر جو عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے انکے لیے نہ تو عربوں والی آسانی تھی اور نہ ہی ان جیسی مشکل تھی۔ انکو لیے قرآن کریم کے پڑھنے کے لیے عربی زبان کا سیکھنا بھی ضروری تھا۔ مگر اس طرح پر سیکھنے میں انکو لیے یہ برابر تھا کہ لسان قریش پر پڑھنا سیکھیں یا کسی دوسرے حرف پر۔ اب بعض صحابی جو بعض الفاظ کو کسی دوسرے حرف پر ادا کر لیتے تھے انہی دوسرے حروف پر ان عجمیوں کو بھی قرآن شریف سکھانے لگے۔ اور چونکہ عجمی لوگ اس بات سے تو ناواقف تھے کہ ان اختلافات کی اصل وجہ کیا ہے۔ اور کس ضرورت کے لیے یہ اجازت دی گئی تھی انکے درمیان ان قرأتوں پر اختلاف ہونے لگے یہاں تک کہ یہ اختلاف بہت بڑھ گیا اور بعض بعض کی تکفیر اسی وجہ پر کرنے لگے۔ یہ وہ حالت تھی جسے دیکھ کر حذیفہ رضی اللہ عنہ گھبرائے اور حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر ذکر کیا کہ اختلاف کی کیا حالت ہو گئی ہے اور اس سے کیا کیا بد نتائج پیدا ہونے شروع ہوئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور یہی صلاح قرار پائی کہ جو نسخے ایسے خود لوگوں نے لکھ لیے ہیں جن میں کہیں دوسرے

حرف کی قرأت بھی داخل ہوگئی ہے انکی اشاعت بند کر دیجاوے تاکہ ان اختلافات کا سرے سے ہی قلع قمع ہوجاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا خود بھی یہ منشا کبھی نہ تھا کہ دوسرے حروف کی قرأتیں ہمیشہ مروج رہیں۔ وہ ایک خاص ضرورت تھی جو اسوقت رفع بھی ہوچکی تھی کیونکہ ان قوموں کے اسلام پر قریباً چودہ پندرہ سال گذر چکے تھے۔ اور وہ بھی اب اس قابل تھے کہ لسان قریش کے مطابق جس میں قرآن کریم کا اصل نزول تھا کلام آلہی کو پڑھ سکیں۔ اور نئی نسل تو شروع سے ہے جسطرح عادی کیجاوی ہو سکتی تھی۔ ان تمام امور پر غور کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ قرآن شریف کے نسخے بڑی احتیاط کے ساتھ اجلہ صحابہؓ کی نگرانی میں لکھوائے جائیں اور سوائے صحف ابی بکرؓ کے جس سے نقلیں کرائی گئی تھیں باقی تمام نسخے جلا دیئے جائیں۔ پس دوسرے نسخوں کے جلانیسے اصل غرض حضرت عثمانؓ کی قرآن کریم کی حفاظت تھی تاکہ وہ غلطیاں جن کا بے احتیاطی سے لکھے ہوئے نسخوں میں راہ پا جانا ممکن تھا اور ایسا ہی بعض دوسری قرأتیں جو کسی صحابی نے غلطی سے قرآن کریم کے اندر داخل کر دی ہوں قرآن کریم میں مل جائیں پس حضرت عثمانؓ کا فعل حفاظت قرآن کریم کا ممد تھا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن کریم کے اندر داخل کرنے اور لکھنے کا حکم دیا تھا اسوقت تک حضرت عثمانؓ کے فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض قرأتیں جو مفسرین اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں انکی موجودگی میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اصل الفاظ قرآن کریم کے کون سے ہیں اور دوسری قرأتیں کون سی۔ قبل اس کے کہ ان قرأتوں کی اصلیت پر بحث کیجاوے ایک فیصلہ کن امر ایسا موجود ہے کہ جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدفتین موجود ہے وہی کتاب پاک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے درمیان چھوڑی۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنی وسیع اسلامی دنیا میں اسقدر عرصہ کے درمیان ہر ایک قسم کے اختلاف کے باوجود یہی ایک ہی قرآن کریم موجود رہا ہے اور موجود ہے اور کوئی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جاسکتا جو اس کے ساتھ کسی حرکت یا حرف یا لفظ کا اختلاف رکھتا ہو۔ اور نہ ہی مزعومہ قرأتوں میں سے کوئی قرأت بجائے اصل الفاظ کے کبھی قرآن شریف میں لکھی گئی ہے۔ ایک بھی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جاسکتا جس میں اس قرآن کریم کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کسی لفظ کو چھوڑ کر کوئی دوسری قرأت اس کی بجائے لکھدی گئی ہو۔ کیا یہ امر اس بات کی کافی شہادت نہیں ہے کہ قرآن شریف محفوظ اور بلا تغیر تبدل چلا آیا ہے؟ غور کرو کہ تیرہ سو سال[۱۳۰۰] کا عرصہ ایک کتاب پر گذرتا ہے۔ اور اس کے بعض نسخے تو مشرق میں پائے جاتے ہیں اور بعض مغرب میں ایسے ایسے ممالک میں جن میں باہمی تعلق کوئی نہیں ہے۔ پھر ایسی ایسی مسلمان اقوام کے اندر اس کے نسخے پائے جاتے ہیں جن کو بچھڑے ہوئے ایک عرصہ بعید گذر گیا اور پھر انکے درمیان کسی قسم کے تعلقات نہیں رہے۔ اور پھر ایسے ایسے مسلمان فرقوں کے ہاتھوں

ہیں اسکے نسخے موجود ہیں جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن رہے ہیں اور ہیں۔ مگر باوجود اختلاف زمانہ۔ اختلاف ممالک۔ اختلاف زبان۔ اور اختلاف عقاید کے قرآن شریف ایک ہی رہا ہے اور ایک ہی ہے۔ خارجی شیعہ کی جان کا دشمن اور شیعہ خارجی کی جان کا دشمن۔ باتیں تو ایک شخص کا اختیار ہے جتنی چاہے بنا لے مگر کیا کوئی نسخہ قرآن کا بھی کسی کے ہاتھ میں ایسا ہے جو اس قرآن کریم سے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اختلاف رکھتا ہو؟ اب غور کرو کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ دوسری قرأتوں کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی بڑا آدمی قرآن شریف کے بعض الفاظ کو دوسری طرح بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ ان روایتوں کو صحیح فرض کر کے بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ قرأتیں واقع میں کلام الٰہی تھیں یا قرآن شریف کا جزو تھیں۔ نہیں بلکہ اس سے اسقدر نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ جو لوگ ان قرأتوں کو پڑھتے تھے وہ درحقیقت انہیں قرآن کریم کا جزو سمجھتے تھے یا یہ کہ جس لفظ کی بجائے وہ کوئی دوسری قرأت اختیار کرتے تھے اس لفظ کو کلام الٰہی کا جزو نہ مانتے تھے اور اس کی بجائے اپنی قرأت کو قرآن شریف کے اصل لفظ مانتے تھے۔ یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ اگر درحقیقت وہ اپنی قرأتوں کو ایسا سمجھتے تو پھر کون شخص مانع تھا کہ وہ اپنے نسخہ جات قرآن میں انہی قرأتوں کو لکھ بھی لیتے اور جو الفاظ اصل نسخوں میں موجود تھے انکو نکال ڈالتے اور اسطرح پر سینکڑوں متفرق نسخے قرآن شریف کے تیار ہو جاتے جن کی اشاعت ہو کر آج اگر ایک اسلامی شہر میں ایک نسخہ ملتا تو دوسرے میں کوئی اور ہی نسخہ ملتا۔ مگر چونکہ ایسے نسخوں کا وجود دنیا میں نہیں پایا جاتا معلوم ہوا کہ ایسا اختلافی نسخہ کبھی کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انکو اسلامی حکومت کا ڈر تھا اس لیے وہ ان قرأتوں کو لکھ نہ سکتے تھے اور نہ کسی لفظ میں تغیر و تبدل کر سکتے تھے تو یہ جھوٹ ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب وہ کھلے طور سے دوسری قرأتوں کو پڑھ لیتے تھے اور اسوقت حکومت کا ڈر نہ تھا تو لکھتے وقت کہاں سے ڈر آ گیا۔ بلکہ پڑھنے سے تو زیادہ تشہیر ہوتی تھی۔ اور نسخہ میں لکھا ہونے سے سوائے چند رازداروں کے اور کسی کو اطلاع نہ ہو سکتی تھی۔ پس یا تو یہ بھی جھوٹ ہے کہ وہ دوسری قرأتوں کو پڑھتے تھے اور اعتراض دور ہو گیا۔ یا اگر یہ صحیح ہے کہ وہ پڑھ لیتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان قرأتوں کو اسقدر وقعت نہ دیتے تھے کہ انہیں جزو قرآن کریم خیال کرتے ہوں اور اسی وجہ سے انکو تحریر کے اندر نہ لاتے تھے اور نہ قرآن کریم کے ان نسخوں میں جو انکے پاس تھے کوئی تغیر تبدل کرتے تھے۔ بہرحال معلوم ہوا کہ قرأت کے اختلاف کی خواہ اسکی کچھ ہی حقیقت ہو یہ مراد لینا کہ قرآن شریف کی اصل عبارتیں محفوظ نہیں رہیں اور بعض لوگ ایک لفظ کو قرآن شریف کا جزو سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے کو بالکل غلط خیال ہے بلکہ ایسا خیال کرنا سراسر نادانی ہے۔

اب ان قرأتوں کی اصل حقیقت پر ہم غور کرتے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ جن قرأتوں کا ذکر بعض روایتوں اور تفاسیر میں پایا جاتا ہے وہ اور سبعہ احرف والی قرأتیں ایک نہیں اگرچہ ان میں کوئی سبعہ احرف والی قرأت موجود ہو۔ مگر دونوں کو بعینہٖ ایک سمجھنا اور سبعہ احرف سے مشہور سات قرأتیں مراد لینا سخت غلطی ہے

اور اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک تو حرف کا لفظ قرأت کی جگہ مستعمل ہونے لگا اور دوسرے قرأتوں کی تعداد بھی سات ہی مشہور ہوگئی اور یہی تعداد احرف کی تھی جسکا ذکر حدیث میں تھا اس سبب بعض لوگوں نے کم فہمی سے سبعۃ احرف اور سات قرأتوں کو ایک سمجھ لیا۔ موجودہ قرأتوں کو جہانتک میں سمجھتا ہوں مفصلۂ ذیل عنوانوں کے نیچے رکھا جاسکتا ہے۔ اوّل۔ وہ قرأتیں جو سبعۃ احرف سے پیدا ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ نے جو منع فرمایا وہ صرف یہ تھا کہ دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن شریف میں لکھا نہ جائے۔ لیکن بعد میں اگر کسی شخص نے انکو پڑھ لیا ہو تو ایسا ممکن تھا اور خصوصًا احادیث میں انکا تذکرہ رہ گیا۔ لیکن موجودہ قرأتوں میں سے سبعۃ احرف والی قرأتوں کو الگ کرنا مشکل کام ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ بعض لوگوں نے یہ قاعدہ تجویز کیا ہے کہ جو قرأتیں اپنی طرز تحریر میں قرآن شریف سے نہیں ملتیں وہ سبعۃ احرف والی قرأتیں ہیں مگر یہ محض اٹکل ہے۔ اور اسکی شہادت یا ثبوت ہمارے ہاتھ میں کوئی نہیں۔ اور جیسا کہ دکھایا جاچکا ہے ان قرأتوں کی اجازت ایک وقتی ضرورت کے لیے تھی۔ اور ان کا پڑھنا یا جاننا کسی مسلمان کے لیے ضروری نہ تھا۔ اور نہ اب ضروری ہے پس ہمیں اس تحقیقات کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوم بعض اس قسم کے اختلاف جیسے واؤں کی گنتی میں جو نہایت خفیف اختلاف ہیں۔ سوم ایسا ہوسکتا ہے کہ اختلاف محاورہ کی ضرورت کے علاوہ بعض جگہ وحی الٰہی سے کسی دوسری قرأت کی اجازت بھی دیدی گئی ہو۔ اصل عبارت تو اسی وقت لکھی گئی اور محفوظ رہی اور آجتک اسی طرح مصاحف میں لکھی جاتی ہے اور ایسی قرأت ایک وقت کے لیے کسی نے پڑھ لی کیونکہ یہ بھی محض اجازت تھی اور اس کا قرآن شریف میں پڑھنا لازمی نہ تھا بلکہ رخصت کے طور پر تھا مگر ایسی قرأت کی صحت اسوقت تک تسلیم نہیں کیجاسکتی جبتک اعلیٰ درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث سے ثبوت نہ ملے۔ اور اگر ایسا ثبوت ملجائے تو اس سے بعض وقت بعض الفاظ کے معنوں پر روشنی پڑسکتی ہے۔ چہارم بعض قرأتیں اسطرح پیدا ہوگئیں کہ ایک لفظ کی تشریح یا تفسیر کو قرأت سمجھ لیا گیا۔ مثلاً ایک صحابی نے قرآن شریف پڑھتے وقت ایک لفظ کی کسی دوسرے لفظ سے تشریح کردی یا اپنے نسخہ قرآن میں کسی لفظ کے معنے کو حاشیہ پر لکھدیا تو سننے والوں یا دیکھنے والوں نے اسے بھی ایک قرأت سمجھ لیا۔ ایسی غلطیوں کے ازالہ کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کوششیں کیں وہ کافی سے زیادہ تھیں اور کوئی ایسی غلط فہمی قرآن کریم میں راہ نہیں پاسکی۔

سب سے آخر اب ہم ان قرأتوں کا ذکر کرتے ہیں جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں ان قرأتوں کے پیدا ہونیکی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھواکر مختلف دیار و امصار میں بھجوائے۔ تو ایسے مصاحف نقطوں اور اعرابوں سے خالی تھے اس لیے مختلف مقامات میں بعض الفاظ مختلف طور سے پڑھے جانے لگے۔ اگر اس اختلاف قرأت کے یہ معنے لیے جاویں کہ ہر ایک شخص ایک خاص طرز پر پڑھتا تھا اور اسی کو صحیح اور اصل قرأت

قرآن شریف کی سمجھتا تھا اور اپنے شاگردوں کو اسی طرح پڑھاتا تھا اور ایک دوسرا شخص اس کے برخلاف پڑھتا اور پڑھاتا تھا تو یہ دعویٰ دو وجہ سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر قرآن شریف واقع میں مختلف بلاد میں مختلف قاری مختلف طرز پر پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اور ہر جگہ وہی قرأت صحیح سمجھی جاتی تھی اور دوسروں کی قرأتوں کو غلط سمجھا جاتا تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ ایسی قرأت نے قرآن شریف کی اصل قرأت کو جیسا کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے بدل نہ دیا اور اصل کی بجائے وہی قرأت مروج نہ ہوگئی؟ یعنی کیوں ایسی قرأتیں قرآن شریف کے نسخوں میں لکھ نہ لی گئیں؟ قرأتوں کے پیدا ہونے کا وقت تو وہ بتایا جاتا ہے جب زیر زبر اور نقطے قرآن شریف کے الفاظ پر موجود تھے۔ کیونکہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں ان قرأتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ یہ قراء کی جماعت بعد میں پیدا ہوئی۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جو نسخے قرآن شریف کے لکھے ہوئے ایسے مقامات پر موجود تھے وہ کچھ اور تھے اور یہ پڑھانیوالے یا قاری لوگ کسی اور طرح پڑھاتے تھے۔ ایک سمجھدار انسان ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو مان نہیں سکتا۔ کہ ایک مقام پر عام رواج تو کسی اور قرأت کا ہو اور قرآن شریف میں جو وہاں عام طور پر شائع ہو رہا ہو کوئی اور قرأت موجود ہو۔ یعنی قرآن شریف میں لکھا ہوا کچھ ہو اور پڑھا یا کچھ جاتا ہو۔ مثلاً سوال یہ ہے کہ جب یہ لوگ بچوں کو قرآن شریف پڑھانا شروع کرتے تھے تو کونسے نسخے انکے سامنے کھول کر رکھتے تھے تاریخ بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی نسخہ کسی اور قرأت والا کسی وقت مسلمانوں میں کسی مقام پر بھی رائج نہیں ہوا پس اگر پڑھانے کے لیے وہی قرآن شریف تھا جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اسی کے مطابق پڑھایا جاتا تھا تو دوسری قرأتوں کی وقعت کیا رہی اور وہ کیا کام دیتی تھیں؟ اگر یہ کہو کہ پڑھاتے وقت کوئی اور قرأت اختیار کیجاتی تھی تو کوئی عقلمند انسان اس بات کا باور نہیں کر سکتا کہ بچے کے سامنے لکھی ہوئی عبارت تو کچھ اور ہو اور اسکو پڑھایا کچھ اور جاتا ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہیں دوسری قرأتوں کے مطابق ہی قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اسکا ثبوت تاریخ سے دو کہ کبھی اختلاف والے نسخے قرآن شریف کے مروج تھے۔ اور ان نسخوں کو دکھانا بھی چاہیئے آخر وہ کیا ہوئے سینکڑوں برسوں کے پرانے نسخے جسقدر ملتے ہیں وہ تو وہی ہیں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اگر ایسے کوئی نسخے ہر مقام پر الگ الگ لکھے ہوئے موجود تھے تو بتاؤ کہ انکو کس نے جلایا اور کسطرح ساری اسلامی دنیا میں سے کیا مشرق میں اور کیا مغرب میں اور سارے اسلامی فرقوں میں سے وہ یکایک نابود ہوگئے؟ پس ثابت ہوا کہ اگر دوسری قرأتوں کو کبھی کسی نے پڑھا بھی تو اسنے خود بھی انکو اسقدر وقعت نہیں دی کہ وہی قرأتیں دوسروں کو بھی پڑھاتا اور انکو رواج دیتا۔ یا اس قابل سمجھتا کہ وہ لکھی جاکر آیندہ نسلوں تک پہنچ سکیں۔

دوسری دلیل جو اس خیال کو باطل ٹھہراتی ہے یہ ہے کہ اگر مختلف مقامات میں مختلف قرأتیں پڑھی اور پڑھائی جاتیں تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ پڑھنے میں ہی یہ قرأتیں ایسا رواج پا جاتیں کہ ایسے مقام پر نسلاً بعد نسل یہی قرأتیں

اختیار کر لی جاتیں۔ کیونکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے ان قرأتوں کو یا ان میں سے بعض کو اختیار کرنیوالے بڑے بڑے آدمی تھے پس دو حال سے خالی نہیں یا تو ان لوگوں نے جو قرأتیں مشہور کیں ان میں سے کسی کو مسلمانوں نے عام طور پر اختیار نہیں کیا اس صورت میں یہ قرأتیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں کیونکہ نہ صرف وہ تحریر کے مخالف ہی پائی گئیں بلکہ جمہور نے بھی انکو قبول نہیں کیا۔ اور یا جمہور نے ان قرأتوں کو صحیح تسلیم کر کے اختیار کر لیا مگر یہ اسوجہ سے باطل ٹھہرتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اب بھی ضرور وہی اختلاف قرأت میں باقی رہے ہوتے۔ مگر یہ صورت نہیں ہے بلکہ جسطرح ایک ہی قرآن شریف تحریر میں موجود ہے اسی طرح ایک ہی قرآن شریف حافظوں میں موجود ہے اور اگر تجربۃً ایک قرآن پڑھنے والا اسلامی دنیا کے ایک سرے سے اور ایک دوسرے سرے سے لیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ دونوں ایک ہی طرح پڑھتے ہیں اور انکی قرأتوں میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے ہم یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پہلے بھی کبھی کسی زمانہ میں قرآن شریف کے پڑھنے میں قرأتوں کا اسطرح اختلاف نہیں ہوا جسطرح کہا جاتا ہے کیونکہ اگر کوئی اختلاف ہوتا تو چاہیئے تھا کہ اس کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا چلا جاتا۔ نہ ہی تاریخ سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ایک زمانہ تک ایسے اختلاف رہے اور پھر یکایک وہ سب کے سب خود ہی رفع ہو گئے۔ اسلام ایک خاص دائرہ کے اندر محدود نہیں رہا بلکہ ابتدا سے ہی دُور دُور ملکوں میں پھیل گیا تھا۔ اور کوئی انسانی طاقت ایسی نہ تھی جو کافۂ مسلمین کو باوجود اختلاف کے پہلے موجود ہونیکے ایک ہی قرأت پر جمع کر دیتی۔ ہاں ایک طاقت تھی اور وہ وہی تھی جس نے پہلے ہی یہ فرمایا تھا انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحٰفظون۔ پس جس طاقت سے پہلے یہ لفظ بولے گئے تھے اسی طاقت نے وہ کام بھی کر دکھایا جو انسانی طاقتوں سے ممکن نہ تھا۔

اب ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اس بات کو فرض کر کے کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصحف لکھوائے تھے ان پر نقطے اور حرکات نہ تھے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا نقاط اور حرکات کے نہ ہونیسے اختلاف قرأت کا پیدا ہونا ممکن تھا۔ ثابت ہو چکا ہے کہ شروع سے حفاظت قرآن کے دو سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیے اور یہی دو سامان آپکے بعد بھی ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنا کام کرتے چلے آئے۔ ایک قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کا ضبط تحریر میں لایا جانا اور دوسرا اس کا سینوں میں محفوظ کیا جانا۔ یعنی تحریر اور حافظ۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جمع قرآن کا کام کیا گیا تو اسوقت بھی اس دوہری شہادت سے کام لیا گیا۔ اور جسطرح قرآن کریم کے لکھے ہوئے نسخے دن بدن پھیلتے چلے جاتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ قرآن شریف کے حفظ کرنیکا سلسلہ جاری تھا۔ اسطرح حضرت عثمانؓ کے وقت میں ہزاروں حافظ قرآن شریف کے موجود تھے جن میں سے بعض تو وہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کریم کو حفظ کر چکے تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے صحابہؓ سے سیکھکر حفظ کیا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے جب لکھے ہوئے نسخے باہر بھیجے تو یہ نسخے بھی حافظ کی شہادت کو ساتھ رکھتے تھے۔

کیونکہ قرآن کریم کے حافظ اسلامی دنیا میں ہر جگہ موجود تھے۔ پس اگر بالفرض ان نسخوں پر نقطے اور حرکتیں نہ بھی تھیں تو اس سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی حفاظت جیسی تحریر میں تھی اسی طرح حافظہ میں بھی تھی۔ اگر کسی جگہ ایک نسخہ لکھا ہوا قرآن شریف کا پہنچا تو ہزاروں حافظ بھی موجود تھے۔ اور حفاظت کے ان دونوں سامانوں کے ہوتے ہوئے کسی تغیر تبدل کا واقع ہونا ناممکن تھا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں قرأتوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اور بہت بڑی تعداد قرأتوں کی بہت سی حدیثوں کی طرح بعد میں پیدا ہو گئی ان قرأتوں کا بعینہ وہی حال ہے جیسے حدیثوں کا یعنی دن بدن انکی کثرت ہوتی چلی گئی۔ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے دو اڑھائی ہزار حدیث کو لیا۔ اسی نسبت سے قرأتوں کو جانچ لینا چاہیئے۔ صحابیوں اور تابعین کے درمیان قرأت کی روایت کرنیوالے بہت ہی کم لوگ پائے جاتے ہیں مگر بعد میں ایک ایسی قوم پیدا ہو گئی جنہوں نے قرأت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اور بہت سی قرأتیں جاننے کو فخر سمجھا۔ اسی سے کثرت قرأت کی شروع ہوئی۔ اس لیے کسی قرأت کو قبول کرنیکے لیے اعلیٰ درجہ کی معتبر اور یقینی شہادت چاہیئے۔ صرف مفسرین کے اقوال یا بعض قراء کے اقوال سے ایسی معتبر اور یقینی شہادت نہیں ملتی بلکہ صحیح احادیث سے ہی صرف ایسی شہادت مل سکتی ہے۔ مگر یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی قرأت کو صحیح حدیث سے کسی صحابی تک پہنچا دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ قرأت واقعی قرآن شریف میں بھی داخل ہے۔ صحابہؓ کے درمیان جو کچھ اختلاف مختلف حروف کی قرأت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اس کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا بلکہ جس طرح اس کلام پاک کو خدا نے اتارا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اور ان مقدس بزرگوں نے بعد کی نسلوں کو پہنچایا۔ اور بلاشک و شبہ ایک ایک حرف اس کا بغیر کسی کمی زیادتی یا تغیر تبدل کے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس صورت میں مختلف قرأتوں کا کسی زمانہ میں بھی رائج ہونا ثابت نہیں تو آخر ان قرأتوں سے مراد کیا ہے۔ سو جہاں تک میں نے غور کیا ہے بات صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ جہاں معنوں میں کوئی اہم تغیر پیدا ہونیکے بغیر ایک لفظ کو کسی اور طرح پر بھی پڑھا جا سکتا تھا اسی کو قرأت کہدیا گیا ہے نہ کہنے والے کا یہ منشا تھا کہ وہ لفظ اُس طرح پر نازل نہیں ہوا جس طرح پر لکھا ہوا قرآن میں موجود ہے اور نہ ہی کبھی یہ مطلب تھا کہ وہ لفظ دونو طرح پر نازل ہوا ہے۔ اسلامی دنیا میں کسی شخص نے کسی جگہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی قرأت کو یہ وقعت نہیں دی کہ قرآن کریم کے اصل لفظ کو نکال کر وہ قرأت داخل کر دیتا۔ مثال سے یہ بات اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ فاتحہ جیسی سورۃ جسے ہر نماز میں کئی دفعہ کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اس کے اصل الفاظ کے متعلق کب کسی کو کوئی شک پیدا ہو سکتا تھا مگر اس سورۃ میں بھی بعض قرأتیں دکھائی ہیں مثلاً مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں دو اور قرأتیں مَلِكَ يَوْمَ الدِّيْنِ اور مَلِيْكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بتائی جاتی ہیں

مطلب ان قرأتوں کا صاف ظاہر ہے یعنی لفظ کی صورت کو بدلنے کے بغیر دو طرح پر اور یہ لفظ پڑھا جا سکتا ہے جس سے معنوں میں بھی کچھ فرق نہیں آتا۔ اب اس کے یہ معنے نہیں کہ کبھی اس بارے میں بھی شک ہوا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم اس لفظ کو کس طرح پڑھتے تھے۔ بلکہ لفظ اور معنی کے تغیر کے بغیر ایک صورت اسی لفظ کے ادا کرنیکی تھی۔ زیادہ سے زیادہ کسی قرأت کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکی اجازت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے دی مگر کسی قرأت کو یہ مرتبہ دینے کے لیے مضبوط سے مضبوط شہادت بکار ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث پر مبنی ہو۔ اور ایسی کسی قرأت سے جیسا کہ مَیں پہلے کہہ چکا ہوں قرآن کریم کی اصل عبارتوں کی حفاظت میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ اختیاری قرأتیں ہیں جنکی اجازت دیگئی۔ اور انکو واجب نہیں کیا گیا۔

اس تمام بحث سے یہ معلوم ہوگا کہ جن معنوں میں اختلاف قرأت کا لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے ان مفہوم کے رو سے قرآن کریم میں دراصل کوئی اختلاف قرأت نہیں۔ عام طور پر جب ہم کسی نسخہ یا کتاب کے اختلاف قرأت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ امر مشتبہ ہے کہ اصل میں اس نسخہ یا کتاب میں فلاں عبارت تھی جو اس میں موجود ہے یا دوسری عبارت تھی جو بطور قرأت ثانی پیش کیجاتی ہے۔ قرآن کریم میں ایسا اشتباہ ہرگز نہیں بلکہ یقین کامل کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں جس کے متعلق قطعی شہادت اور بین ثبوت پیش کر دیا گیا ہے کہ اصل عبارت قرآن کریم کی وہی تھی جو آج بین الدفتین موجود ہے ایسا ہی اختلافات قرأت سے بعض وقت مراد غلطی کی بھی ہوتی ہے یعنی مروجہ نسخہ میں کسی طرح سے کوئی غلطی راہ پا گئی ہو یا کوئی نقص رہ گیا ہے چنانچہ بائبل وغیرہ کی کتابوں کے متعلق جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد انہی معنوں میں سے کوئی معنے ہوتے ہیں جن کا ذکر ہم نے بیان کیا مگر قرآن کریم کے متعلق اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں ہرگز درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کے تمام نسخے جنہیں اسلامی دنیا نے قبول کیا ہے ابتدا سے لیکر آجتک ایسی غلطیوں سے محفوظ رہے ہیں اور تیرہ صدیوں سے ایک ہی نسخہ چلا آتا ہے جسکی حفاظت یقینی دلایل اور روشن شہادت سے ثابت ہے۔

حفاظت قرآن کا مضمون یہاں ختم ہو جاتا ہے مگر ایک بحث جس کا ہم وعدہ کر چکے ہیں ابھی باقی ہے یعنی ناسخ منسوخ کی بحث۔ دراصل اس بحث کو حفاظت قرآن کے مضمون سے چنداں تعلق نہیں لیکن چونکہ بعض معترض اسکو حفاظت قرآن پر حملہ کرنیکے لیے درمیان میں لاتے ہیں اسلیے اسی عنوان حفاظت قرآن کے نیچے ہی ہم انشاء اللہ تعالیٰ ناسخ منسوخ کی بحث بھی کریں گے۔

عقیدہ آمد مہدی
میں
مولوی محمد حسین بٹالوی کی دورخی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار "اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت" کے عنوان سے کچھ مدت ہوئی

شایع کیا تھا یہ اشتہار انگریزی میں ترجمہ ہوکر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بھی شایع ہوا۔ اسپر ایک صاحب سید محمد نام نے پیشاور سے اس اخبار میں یہ اعتراض شایع کرایا کہ مرزا صاحب کا مسلمانوں کے عقیدہ مہدی کو خطرناک کہنا درست نہیں ہے اور کہ مرزا صاحب کے مرید اگر کابل میں قتل کیے گئے تو اس سے امیر صاحب پر کوئی الزام نہیں آتا۔ کیونکہ مرزا صاحب اور انکے تمام مریدین درحقیقت مرتد اور واجب القتل ہیں۔ اسپر پھر ایک مضمون حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اس اخبار میں شایع کرایا گیا جو اس رسالے میں بھی جون کے پرچہ میں "مسلمان اور جہاد" کے عنوان سے نکل چکا ہے۔ اسکے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی نے ۱۹۔جولائی کے پرچہ سول میں اپنے آپ کو ثالث بالخیر تجویز کرکے ایک محاکمہ شایع کرایا ہے۔ مولوی صاحب کا خود اپنے آپ کو ثالث تجویز کرنا اور بے تعصبی سے فیصلہ کرنیکا دعوی کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا ایک بھوکا بھیڑیا ایک بکری کا انصاف کرنیکے لیے بیٹھے۔ مولوی صاحب عرصہ دراز سے اس سلسلہ کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور بانی سلسلہ کے واجب القتل ہونیکا فتوے دیکر مدت تک مسلمانوں کو اکساتے رہے۔ اور کئی مرتبہ آپ دانت بھی پیستے تھے کہ اگر ہم کسی اسلامی سلطنت کے ماتحت ہوتے تو فی الفور آپکا سر تلوار سے جدا کر دیتے۔ مگر یہ ساری حسرتیں انکے دل میں ہی رہیں اور خدا تعالیٰ نے یہی چاہا کہ یہ حسرتیں اس دنیا میں انکے لیے دوزخ کا کام دیں جسکا مزا اسی زندگی میں چکھنا خدا کے ماموروں سے عداوت رکھنے والوں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے اشاعۃ السنہ میں اس سلسلہ کی مخالفت میں خود اپنے آپ کو مجنون قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اپنی جوش مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے مولوی صاحب لکھتے ہیں قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ اس مخالفت کے نقشہ کو مدنظر رکھکر پھر غور کیا جائے کہ یہ شخص پبلک کے سامنے بے تعصب جج بنکر فیصلہ دینا چاہتا ہے بیشک آپ ایسے ہی بے تعصب جج ہو سکتے ہیں جیسے فرعون حضرت موسیٰؑ کے لیے۔ یا فقیہ اور فریسی حضرت عیسیٰؑ کے لیے یا ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے۔

کچھ تمہید کے بعد مولوی صاحب پہلے تو تفخر کے طور پر اپنے خدمت کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور پھر اپنا مقابلہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کرکے کہتے ہیں کہ میٔنے تو گورنمنٹ کی یہ خدمت کی ہے جس کے عوض میں مجھے گورنمنٹ سے خوشنودی کی چٹھیاں ملی ہیں تمھیں بھی اگر کوئی چٹھیاں ملی ہیں تو پیش کرو۔ مولوی صاحب نے معلوم نہیں اس بات کو کیوں نہیں سمجھا۔ بات تو سیدھی تھی۔ آپنے محض گورنمنٹ کی خوشنودی کی چٹھیاں لینے کے لیے یا تھوڑی سی اور دنیوی منفعت اُٹھانیکے لیے چند فقرات لکھ دیئے سو آپ کو وہ مل گئیں۔ لیکن خدا کے مسیح کو خوشنودی کی چٹھیوں سے کوئی غرض نہ تھی اور نہ ہے۔ اس نے محض خدا کے لیے ایک کام کیا اور اپنا فرض سمجھکر کیا۔ سو اس کا صلہ بھی وہ خدا سے ہی چاہتے ہیں نہ گورنمنٹ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا۔ دیکھیئے سورۃ الشوری۔ من کان یرید حرث الآخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا ومالہٗ فی الآخرۃ من نصیب۔ یعنی جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو

ہم اس کی کھیتی میں اس کیلیے برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم بقدر مناسب اس کو دنیا دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ سو مولوی صاحب دنیا کی کھیتی کے طالب ہوئے اور چار مربع زمین انہیں مل گئی۔ یہ عین خدا کی سُنت کے مطابق ہے۔ رہیں آپ کی تحریریں سو آپ جس طرح سے مہدی کے عقیدہ میں آخر کار اسی سلسلہ کے خوشہ چین بنے ہیں اور آپنے اس خوشہ چینی کو اپنی ہتک نہیں سمجھا اگرچہ اس کا اقرار کرنے سے آپ کو شرم آتی ہے اسی طرح جہاد کے مسئلہ میں بھی آپنے حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں سے اگر خوشہ چینی کر لی ہو تو کیا عجب ہے۔ بہر حال جس غرض کے لیے آپنے یہ رسالہ جہاد لکھا تھا یعنی چٹھیات خوشنودی کا حاصل کرنا وہ آپ کو مل گئیں اور اگر آپ اس امر پر فخر کرتے ہیں تو یہ کسی دوسرے کا کام نہیں کہ آپ کو سمجھاوے کہ یہ غرض ایک کمینہ غرض ہے۔ اسی رسالہ الاقتصاد کے فارسی ایڈیشن پر لکھا ہے کہ اشاعت آں در مختلف زبانہا (عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی) بوقوع آمدہ اور آج اُنیس سال بعد آپ سول میں لکھتے ہیں کہ عربی ایڈیشن اس رسالہ کی اب تیار ہوگی اور وہ امیر کے نام پر نامزد کیجاوے گی۔ معلوم نہیں ان دونوں باتوں میں سے کونسی صحیح ہے۔ اور پھر آپ کو اگر یہ رسالہ امیر کے نام پر ہی نامزد کرنا تھا تو کابل میں جسوقت آپ تشریف لے گئے تھے اسوقت امیر صاحب کے پیش کیوں نہیں کیا۔ سنا ہے امیر عبدالرحمٰن صاحب نے بھی ایک رسالہ جہاد پر لکھا تھا معلوم نہیں اُسوقت آپنے اگر شہ روز را گوید شب است ایں بباید گفتن اینک ماہ و پروین پر عمل کیا تھا اگر آپ اسوقت اپنا رسالہ پیش کرتے اور پھر زندہ بچ کر آتے تو ہم بھی مان لیتے کہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم انکار جہاد کے سبب سے نہیں مارے گئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے مضمون میں ایک تو آمد مہدی کے عقیدہ کے بارہ میں کچھ رائے ظاہر کی ہے اور دوسرے بعض حملے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ احمدیہ پر کیے ہیں۔ چونکہ ہماری غرض زیادہ تر مہدی کے متعلق مولوی محمد حسین کی دو رُخی کا ظاہر کرنا ہے اس لیے اوّل ہم اسی حصہ مضمون کو لیتے ہیں۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں "یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کہ مسیح اور مہدی کی آمد کا عقیدہ خطرناک ہے کیونکہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ موعود مسیح اور مہدی تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائیں گے۔ صحیح بخاری کے مطابق جو اہل سُنت و الجماعت کے درمیان متفق طور پر ایک مستند کتاب مانی جاتی ہے مسیح موعود تمام جنگوں کا خاتمہ کر دیگا اور اسلام کو صرف آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ذریعہ سے پھیلائیگا۔ امام مہدی بھی اسیوقت آئیگا اور نہ کوئی خونریزی ہوگی اور نہ جہاد ہوگا۔ اسلام باامن طریقوں سے پھیلایا جائیگا۔ مَیں نے اس مضمون پر ایک لمبا آرٹیکل لکھا ہے اور یہ عنقریب شایع کیا جانیوالا ہے مگر مَیں نہایت زور کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مسیح اور مہدی کی آمد کے متعلق اسلامی عقیدہ کسی طرح بھی ملک کے امن کے لیے خطرہ پیدا نہیں کرتا۔"

یہ ہی سلسلہ احمدیہ کے ایک سب سے پُرانے اور کینہ ور مخالف کا پر زور اعلان۔ اور جہاں عام لوگ اس اعلان کو

تعجب کی نگاہ سے دیکھیں گے احمدی احباب اسے خوشی کے ساتھ پڑھیں گے کہ آخر ایک ایسے مخالف کو بھی وہی عقیدہ تسلیم کرنا پڑا جو انکے امام نے آج سے اٹھارہ سال پہلے انکو سکھایا۔ اگرچہ مولوی صاحب نے یہ احتیاط کی ہے کہ اس اعلان کو انگریزی زبان میں پہلے شایع کیا جائے مگر یہ راز اب چھپا نہیں رہ سکتا اور آخر وہ وقت آ گیا ہے کہ مولوی صاحب کو دو رُخی چھوڑکر ایک پہلو اختیار کرنا پڑیگا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ موعود مسیح اور مہدی جنگ کریگا اور یضع الحرب کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ عقیدہ اہل حدیث کا ہے یا سُنّیوں کا یا شیعہ کا؟ آمد مہدی کے عقیدہ میں اسوقت ہم مسلمانوں کو تین فرقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اوّل وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بنی فاطمہ سے مہدی پیدا ہوگا جو ظاہری اور روحانی خلیفہ ہوگا۔ اور تلوار سے تمام دنیا کو فتح کریگا اور جو کافر اسلام قبول نہ کرے اسکو مار ڈالے گا۔ دوسرے وہ لوگ جو قطعاً مہدی کے آنیکے منکر ہیں اور تیسرے وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح اور مہدی آئیگا مگر اس کا کام تلوار چلانا نہ ہوگا بلکہ آسمانی نشانوں اور یقینی دلایل کے ساتھ وہ اسلام کی فوقیت سب مذاہب پر ثابت کریگا۔ قسم اوّل میں عام اہل اسلام شامل ہیں خواہ وہ سُنّی ہوں یا وہابی ہوں یا شیعہ ہوں۔ قسم دوئم میں ایسے لوگ شامل ہیں جیسے سر سید احمد خاں اور انکے پیرو جو نیچری کہلاتے ہیں۔ اور جو مذہب اور مذہبی عقاید سے آزادی حاصل کر رہے ہیں۔ یا ابن خلدون جیسے آدمی جو مہدی کی احادیث کو مجروح یقین کرکے اسکی آمد کے قطعاً منکر ہیں اور ایسی تمام احادیث کو وضعی بتاتے ہیں۔ اور قسم سوئم میں صرف ایک ہی جماعت کا نام لیا جا سکتا ہے اور وہ ہے سلسلہ احمدیہ جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر یہ اعلان کیا کہ مہدی کے متعلق جنگ کرنیکی اور لوٹ کا روپیہ تقسیم کرنیکی تمام روایتیں جھوٹی ہیں۔ مگر مسیح اور مہدی کے آنیکی پیشگوئی ایسی ہے جو قرآن شریف میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس تقسیم کے مطابق جسکو میں ابھی ثابت کرونگا کہ مولوی محمد حسین نے بھی قبول کیا ہے۔ وہ "فاضل مسلمان" جن کا ذکر مولوی صاحب نے اخبار سول میں کیا ہے صرف احمدی مسلمان ہی ہیں اور کوئی شخص اس سلسلہ سے باہر مولوی صاحب کے اس دعویٰ کے مطابق فاضل کہلانیکا حق نہیں رکھتا۔ والفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ اس سے زیادہ خوشی کی جگہ احمدیوں کے لیے کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے فضل کو ایک سخت سے سخت دشمن بھی قبول کرتا ہے اور نہ صرف وہ انہی کو فاضل کا خطاب دیتا ہے بلکہ تمام دوسرے مسلمانوں سے جو مہدی کے جنگ کرنیکے قائل ہیں اس خطاب کو چھین کر اسکو سلسلہ احمدیہ کے لیے ہی خاص کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک کوئی مسلمان فاضل کہلانیکا حق نہیں رکھتا جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ مہدی جنگ نہیں کریگا بلکہ صرف آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ساتھ ہی دین کو پھیلائیگا۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آجتک یہ عقیدہ کہ مسیح اور مہدی آئیگا مگر وہ جنگ نہیں کریگا بلکہ آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ساتھ دین اسلام کو پھیلائیگا سوائے سلسلہ احمدیہ کے کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے

باوجود اس دورنگی کے جو اس عقیدہ کے متعلق وہ شروع سے اپنی تحریروں میں اختیار کرتا رہا ہے جس کا میں بھی ذکر کرونگا آجتک ایسا عقیدہ مہدی کے متعلق ظاہر نہیں کیا جس کا وہ آج زور کے ساتھ دنیا میں اعلان کرتا ہے حالانکہ اس عقیدہ کے سارے الفاظ مولوی صاحب نے اس سلسلہ سے چرا لئے ہیں جس کی وہ ساتھ ساتھ مخالفت بھی کرتے جاتے ہیں۔

سب سے اول عام مسلمانوں کی اطلاع کے لیے میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب باوجود مولوی اور اہل حدیث کا ایڈووکیٹ کہلانیکے کس کس قسم کی چالیں اس عقیدہ کے متعلق آجتک چلتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کی آنکھوں میں مٹی ڈال سکتے ہیں اور کہ انکی چالبازیوں کو کوئی سمجھ نہیں سکتا مگر انکو یقین کرنا چاہیئے کہ صاف گوئی اور جو بات دل میں ہو اسی کا کھلے طور سے اظہار کرنا دنیا میں خوبی کے اوصاف ہیں اور جو طریق انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ کسی طرح عزت کے قابل نہیں ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے سول میں مضمون لکھنے سے پہلے پبلک میں نہ تحریر سے اور نہ زبانی آجتک یہ کبھی عقیدہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ اس مہدی کے آنیکے منکر ہیں جس کے منتظر عام مسلمان ہیں نہ ہی کبھی انہوں نے اس عقیدہ کی مخالفت کی کہ مہدی آکر کفار یعنی غیر مسلموں کے خون سے زمین کو بھر دیگا۔ جو شخص چاہے ۱۸۷۸ء سے لیکر انکے اشاعۃ السنہ کی ورق گردانی کرے مگر وہ ایک لفظ بھی میرے اس دعوے کی تردید میں نہیں پائیگا اور آج مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ مہدی آکر جنگ کریگا یا تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائیگا اور غالباً مولوی صاحب اگر یہ بھی کوئی نئی چال نہیں تو انہی فاضل مسلمانوں میں اپنی شمولیت جتانا چاہتے ہیں اور پھر اس عقیدہ کا زور سے اعلان کرنا گویا کہ یہ آپ کا اور دوسرے مسلمانوں کا مدتوں سے عقیدہ چلا آتا ہے ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے۔ میں اس فیصلہ کے لیے ناظرین کو اشاعۃ السنہ کے ورق گردانی کا محتاج نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنے اس دعوے کو جو اوپر کیا ہے مولوی محمد حسین کے اپنے اقرار سے صحیح ثابت کرکے دکھاؤنگا لیکن اس سے پہلے ان واقعات کا ظاہر کرنا ضروری ہے جنکی وجہ سے مولوی صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑا تھا۔

۱۸۹۸ء میں (غالباً اسی سال مولوی صاحب نے کچھ زمین کے لیے بھی گورنمنٹ سے درخواست کی تھی) مولوی محمد حسین نے انگریزی زبان میں ایک فہرست مضامین رسالہ اشاعۃ السنہ چھپوائی جس کا عنوان تھا "اشاعۃ السنہ کے اُن مضامین کی فہرست جن میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کا مقابلہ کرنیکی ممانعت ثابت کی گئی ہے اور جہاد کی اصل حقیقت کو دکھایا گیا ہے" اس فہرست میں ایک جگہ ۱۸۸۶ء کے رسالہ کے صفحہ ۹۴ کے حوالہ سے ایک مضمون اس عنوان کا درج ہے "احادیث متعلقہ مہدی پر جرح اور وہ دلایل جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے" اصل میں یہ عنوان جو اس فہرست مضامین میں درج کیا گیا تاکہ گورنمنٹ یہ سمجھے کہ مولوی صاحب نے کوئی ایسا مضمون لکھا ہے اور خوش ہوکر کوئی اور چٹھی خوشنودی کی یا چند بیگھے زمین کے دیدے۔ بالکل غلط تھا۔ نہ ہی ۱۸۸۶ء کے صفحہ ۹۴ پر اور نہ ہی ساری اشاعۃ السنہ میں کسی اور جگہ کوئی ایسا مضمون درج ہے جس میں احادیث

متعلقہ مہدی پر جرح کیگئی ہو یا کوئی ایسے دلایل دیئے گئے ہوں جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہو۔ اور ایسا عنوان محض دھوکہ دینے کے لیے قایم کیا گیا ہے۔ جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نواب صدیق حسن خاں کی حمایت میں لکھا گیا تھا۔ جو ان دنوں بوجہ ان خطرناک مضامین کے جو جہاد اور مہدی کے متعلق انہوں نے اپنی کتابوں میں شایع کیے تھے گورنمنٹ کی عتاب کے نیچے تھے۔ یہ عقائد کیا تھے میں آگے چلکر بیان کرونگا یہاں صرف اسقدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ نواب صدیق حسن خاں اہل حدیث کا لیڈر اور مجدد تسلیم کیا جاچکا تھا۔ مولوی محمد حسین کے لیے اسکی حمایت ضروری تھی۔ کیونکہ مولوی صاحب خود اپنی قلم سے انکو مجدد لکھ چکے تھے۔ دوسری طرف مولوی صاحب کو خود بھی خطرہ ہوا کہ مبادا کھلے طور سے اس کے عقاید کی تائید کرکے آپ بھی اسی بلا میں گرفتار ہو جاویں۔ لہذا مہدی کی آمد کے عقیدہ کے متعلق یہ پہلا موقع تھا جب مولوی صاحب کو دو رخی اختیار کرنیکی ضرورت پیش آئی چنانچہ نواب صاحب کی حمایت کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھدیا کہ مہدی کی آمد سے بعض اہل حدیث زمانہ گذشتہ کے اور زمانہ حال کے منکر ہیں اور اسکی تشریح ایک فٹ نوٹ میں کی جو وہ بھی اصل مضمون کی طرح گول مول ہے اور اپنا عقیدہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ میں بھی منکر ہوں یا قائل ہوں۔ چونکہ یہ فٹ نوٹ ہی صرف ایک ایسی عبارت ہے جسکی بنا پر حکام کو دھوکہ دینے کے لیے مولویصاحب نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں اشاعۃ السنہ میں مہدی کی حدیثوں پر جرح کر چکا ہوں اور انکا غلط ہونا ثابت کرچکا ہوں اس لیے ہم اوّل اس فٹ نوٹ کو اسجگہ پورا درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین سمجھ سکیں کہ مولوی صاحب نے کس قدر تقوے کو چھوڑکر کام کیا ہے۔ اصل فقرہ جس کے نیچے فٹ نوٹ لکھا گیا یہ ہے "عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا جن میں حضرات نکتہ چین بھی داخل ہیں (بجز بعض المحدثین زمانہ قدیم و زمانہ حال)** قیامت سی پہلے مہدی کے آنیکے معتقد ہیں"۔ اسجگہ فٹ نوٹ یہ درج ہے۔

"** زمانہ قدیم میں قاضی ابن خلدون حضرمی اعتقاد آمد مہدی سے منکر گذر چکے ہیں اور اس زمانہ میں ایسے کئی اہل حدیث موجود ہیں۔ ان لوگوں کا انکار عقلی وجوہات سے اور ان خوارق وعجائبات کو جو مہدی کے علامات و مقدمات تسلیم کیے جاتے ہیں) ناممکن سمجھنے کی وجہ سے نہیں ہے۔ جیسا کہ نیچر کو مذہب ماننے والوں کا انکار عقلی وجوہات و اعتقاد عدم امکان خوارق وعجائبات پر مبنی ہے بلکہ انکا انکار صرف نقلی اصول پر اور ان احادیث کو جو مہدی کے باب میں وارد ہیں صحیح نہ ماننے۔ اور بعد فرض تسلیم صحت انکی قطعیت کو (جو اعتقادیات میں بحکم نصوص قرآنیہ شرط ہے چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر (۵) جلد (۸) میں بصفحہ (۱۳۲) وغیرہ ثابت ہو چکا ہے) نہ ماننے کے سبب سے ہے۔ اعلیٰ طبقہ کتب حدیث (صحیح بخاری و صحیح مسلم) مہدی موعود کے ذکر سے ساکت ہے چنانچہ پہلے بھی (جبکہ نواب صاحب یا کسی اور مسلمان پر مسئلہ مہدی کے سبب سے کوئی اعتراض نہ ہوا تھا) اشاعۃ السنہ نمبر ۱۱ جلد ۷ میں بصفحہ ۳۲۸ ہم اس امر کو جتا چکے ہیں۔ دوسرے طبقہ کی کتابوں میں جو اس مضمون کی حدیثیں پائی جاتی ہیں وہ غوایل جرح سے خالی نہیں۔

قاضی ابن خلدون حضرمی نے اپنی کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر میں ان احادیث کو ایک ایک کر کے رد کر دیا ہے۔ ہمارے نواب صاحب نے جرح و کلام ابن خلدون کا اپنی کتاب حجج الکرامہ و اذاعہ وغیرہ میں جواب دیا ہے پر وہ جواب جرح ابن خلدون کو اٹھا نہیں سکتا بلکہ اور پختہ کرتا ہے ہم اس باب میں عنقریب ایک مستقل مضمون لکھیں گے اور اس میں ان احادیث پر تفصیلی بحث کریں گے۔ اس نوٹ میں صرف اس امر کا جتانا مدنظر تھا کہ بعض اہل حدیث زمانہ سابق وحال مہدی سے منکر بھی ہیں عام مسلمانوں یا نواب صاحب کے معتقد ہونے سے بھی مسلمانوں یا کل اہلحدیث کو معتقد نہ سمجھنا چاہیئے"

اب ناظرین خود اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس فٹ نوٹ میں نہ تو احادیث مہدی پر کوئی جرح ہے اور نہ ہی کوئی دلایل ہیں جن سے انکا غلط ہونا دکھایا گیا ہو۔ نہ ہی اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عام مسلمانوں کا جو عقیدہ مہدی کے متعلق ہے اسکو غلط کر کے دکھایا جاوے۔ بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال کو مہدی کے عام عقیدہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ مگر یہاں بھی مولوی صاحب نے گول مول پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ زمانہ قدیم کا حوالہ دینے میں تو مولوی صاحب کو کوئی حرج نظر نہیں آتا تھا اس لیے جھٹ ابن خلدون کا نام لے دیا۔ مگر زمانہ حال کے اہلحدیث میں سے ایک کا نام بھی نہ لیا۔ یہانتک کہ خود اپنا نام بھی نہیں لیا بلکہ متن اور فٹ نوٹ دونوں جگہ مبہم ہی رکھا۔ جب مولوی صاحب ابن خلدون کا نام لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے تو زمانہ حال کے ان اہل حدیث کے ناموں کو کیوں چھپایا جو ابن خلدون کی طرح مہدی کی آمد سے قطعاً منکر تھے؟ اس مضمون سے اسقدر ظاہر ہے کہ اُسوقت جب یہ مضمون مولوی محمد حسین صاحب نے لکھا انہوں نے مسلمانوں کو دو جماعتوں پر ہی تقسیم کیا۔ ایک وہ جو مہدی خونی کے آنیکے معتقد ہیں اور جن میں مولوی صاحب کے اپنے اقرار کے بموجب "عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا" شامل ہیں۔ اور دوئم وہ جو مہدی کے آنیکے قطعاً منکر ہیں جن میں "بعض اہل حدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال" اور نیچری شامل ہیں۔ تیسرا کوئی گروہ مسلمانوں کا مولویصاحب نے نہیں بتایا اور نہ دراصل اسوقت تک کوئی تیسرا گروہ پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ بات جو مولوی صاحب آج سول میں لیکر دوڑے ہیں اسوقت بھی اُنکے ذہن میں تھی تو انہیں چاہیئے تھا کہ یہ بھی ظاہر کرتے کہ جو دراصل فاضل مسلمان ہیں انکا عقیدہ ان ہر دو گروہ سے الگ ہے۔ مگر یہ کیونکر کرتے یہ بات آج آپکے ذہن میں آئی جب خدا کے ایک برگزیدہ نے بیسیوں کتابوں میں کھول کھول کر اسے بیان کیا اور بار بار سمجھایا۔ اسقدر غباوت کے ساتھ کہ ایک بات کو برسوں سُننے کے بعد آپ اسے سمجھ سکے مولوی صاحب کا یہ حق نہیں کہ اپنے لیے "فاضل" کا لفظ تجویز کریں۔ ہاں اگر حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کرنیکے بعد جلد ہی آپ اسکو سمجھ جاتے تو بھی ان مخصوص معنوں میں اس خطاب کے ساتھ آپ کو یاد کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ ایک اور امر قابل توجہ اس مضمون میں یہ ہے کہ مولوی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "ہم اس باب میں عنقریب ایک مضمون لکھیں گے" اور اب اکیس ۲۱ سال

گذرنیکے بعد پھر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں آپنے یہی لکھا ہے کہ عنقریب ایک مبسوط مضمون اس بارہ میں شایع کریں گے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولوی صاحب کے اس موعودہ مضمون کا کب تک انتظار کرنا چاہیئے۔ آخر یہ کوئی عظیم الشان کتاب کی تصنیف تو تھی نہیں دو لفظوں میں مولوی صاحب یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم آمد مہدی کے قائل ہیں یا انکار والوں کے ساتھ ہیں یعنی جمہور اہل اسلام میں شامل ہیں یا "بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال" کے ساتھ ہیں۔ بہر حال مولوی صاحب نے اس مضمون میں دو رُخی اختیار کی اور صفائی سے کوئی بات نہیں کی اگرچہ اس میں میلان انکی طبیعت کا انکار مہدی کے عقیدہ کی طرف پایا جاتا ہے جو ابن خلدون اور نیچریوں کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ گو نیچریوں کے انکار کی بنا اور وجوہات پر ہے اور ابن خلدون کے انکار کی بنا اور وجوہات پر۔

اس کے بعد ایک اور زمانہ اس سے بارہ[۱۲] سال بعد مولوی صاحب پر آیا جب پھر انہیں اس عقیدہ کے متعلق خیالات کا اظہار کرنا پڑا اور وہی دو رُخی کا پہلو یہاں بھی اختیار کیا اگرچہ اس مرتبہ انکا میلان اقرار کی طرف پایا جاتا ہے۔ جب ۱۸۹۸ء میں مولوی صاحب نے فہرست مضامین اشاعۃ السنہ چھپوائی تو اگرچہ انہوں نے اسکو بہت کچھ مخفی رکھنا چاہا مگر ایک کاپی اس کی اتفاقاً حضرت مسیح موعودؑ کے پاس بھی پہنچ گئی اس فہرست میں مولوی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ ان مضامین کے ذیل میں جو بغاوت گورنمنٹ اور جہاد کے خلاف مینے لکھے ہیں ایک مضمون اس بات کی اثبات میں بھی لکھا ہے کہ مہدی کے آنیکے متعلق جس قدر احادیث ہیں وہ سب غلط ہیں جیسا کہ مَیں دکھا چکا ہوں در اصل تو یہ بات صحیح نہ تھی مگر اس فہرست میں گورنمنٹ کے حکام کو خوش کرنیکے لیے مولوی صاحب نے یہ لکھ مارا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صاحب قطعی طور پر منکرین مہدی کے ساتھ جا ملے ہیں۔ چنانچہ اسی فہرست کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ نے علماء سے ایک استفتا کیا جس میں سوال یہ تھا کہ ایسا شخص جو مہدی کے آنیسے منکر ہو جیسا احادیث کے رو سے اس کا آنا عام مسلمان مانتے ہیں تو اس کے حق میں کیا فتویٰ ہے تمام علماء نے جس میں بہت سے اہل حدیث بھی شامل تھے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا شخص ضال مضل کافر دجال وغیرہ وغیرہ ہے۔ چنانچہ جب مولوی صاحب کے اس اقرار کے ساتھ جو وہ فہرست شایع کر چکے تھے کہ وہ مہدی کے آنیکی تمام حدیثوں کو غلط ثابت کر چکے ہیں شایع کیا گیا تو اب مولوی صاحب کو پھر آخر پلٹنا پڑا تا کہ کفر کا فتویٰ جو ان پر لگ چکا تھا ٹل جائے چنانچہ آپنے بجواب رسالہ کشف الغطا ایک رسالہ انگریزی میں بنام جواب کشف الغطا لکھا۔ اور اس رسالہ میں یہ ظاہر کیا کہ نہ ہی فہرست مضامین میں، اور نہ ہی فٹ نوٹ محولہ فہرست میں انہوں نے کبھی انکار مہدی کیا ہے۔ چنانچہ فٹ نوٹ مذکورہ کا ترجمہ اس تمہید کے ساتھ اس رسالہ میں دیا گیا ہے۔

"اس بیان کے متعلق کہ بعض اہلحدیث اس عقیدہ (مراد عام عقیدہ آمد مہدی ہے) کو نہیں مانتے راقم نے ایک فٹ نوٹ میں یہ تشریح کر دی تھی کہ بعض اہل حدیث کی یہ رائے ہے کہ احادیث متعلقہ مہدی قابل اعتبار

نہیں ہیں۔ مگر میَں نے اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ وعدہ کیا تھا کہ الگ مضمون میں ایسا کروں گا اور یہ وعدہ میَں آج تک پورا نہیں کر سکا،،

اس تمہیدی نوٹ سے صاف پایا جاتا ہے کہ مولوی صاحب ۱۸۹۹ء میں اس بات سے ڈرتے تھے کہ اپنے آپ کو اہل الحدیث کے ساتھ ملائیں جو انکار مہدی کرتے تھے۔ اور فہرست میں جو حدیثوں کو آپ کھلے طور پر (Incorrect) غلط کہہ چکے تھے اس کی تاویل یوں کی۔ "یہ کہنے سے کہ احادیث متعلقہ مہدی پر جرح ہو سکتی ہے یہ منشاء نہیں جیسا کہ قادیانی ان الفاظ سے یہ مطلب نکالنا چاہتا ہے کہ وہ (false) غلط ہیں۔ بلکہ امر واقع یہ ہے کہ غیر صحیح احادیث کو بھی صحیح (correct) کہا جا سکتا ہے۔ مگر انکو اُسوقت ضعیف (weak) سمجھا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ جن لوگوں کی روایت سے وہ ہم تک پہنچی ہیں وہ اچھا حافظہ نہ رکھتے تھے۔ اگر ایسی احادیث نہ صحیح (trustworthy) ہوں اور نہ ضعیف تو انکو حسن کہا جاتا ہے،، (صفحہ ۲ جواب کشف الغطا)

یہ چال دورُخی کو قایم رکھنے کے لیے ضروری تھی۔ فہرست میں تو مولوی صاحب نے کہا تھا کہ وہ ثابت کر چکے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی (incorrect) یعنی غلط ہیں۔ اب یہاں یہ تشریح کرتے ہیں کہ غیر صحیح یعنی غلط کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ لکل ان یصطلح کے مطابق مولویصاحب نے یہ ایک اصطلاح قایم کر لی ہے کہ غیر صحیح کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ مولویصاحب یہ لکھدیتے کہ انکار مہدی کو بھی اقرار مہدی کہا جاتا ہے تو پھر انپر کوئی بھی گرفت نہ ہو سکتی تھی۔ مگر مہدی کے انکار سے انکار مولویصاحب نے اور بھی صراحت سے اسی رسالہ جواب کشف الغطا میں کیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے۔

"امر واقع یہ ہے کہ راقم نے تحریر کے ذریعہ یا زبانی کبھی یہ بیان نہیں کیا کہ وہ مہدی موعود کے آنے پر ایمان نہیں رکھتا۔ نہ ہی کبھی اس نے اس کی آمد کی سب حدیثوں کو جھوٹی کہا ہے اور نہ ہی کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک خونخوار مہدی کی آمد کے خیالات کو وہ مسلمانوں کے دلوں سے مٹانیکی کوشش کر رہا ہے۔ القصہ یہ دعوے سب کے سب بے بنیاد ہیں۔ نہ ہی وہ کہیں اشاعۃ السنہ میں پائے جاتے ہیں اور نہ ان اشتہاروں میں جو راقم نے شایع کیے"

مولوی صاحب کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ اور انکی تشریح کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی رسالہ میں آگے چلکر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ میَں نے دوسرے مولویوں کو کبھی یہ نہیں کہا کہ میَں ایک ایسے مہدی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کا انتظار کرتا ہوں جو عیسائیوں اور دوسرے کافروں سے جنگ کریگا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ اس کے خلاف بھی انہوں نے مولویوں کو کچھ نہیں کہا چنانچہ صفحہ ۲۲ پر کفر کے فتوے کا جو مولویوں نے منکر مہدی پر لگایا تھا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "انہوں نے یہ نہیں کہا کہ راقم مہدی کے آنیکا انکار کرتا ہے اور کہ انکا فتویٰ اسکے خلاف تھا۔ راقم یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اگر انسے یہ دریافت کیا جاوے کہ کیا کبھی اس نے ایسے عقیدہ کا

اظہار تحریر میں یا زبانی کیا ہے تو وہ نفی میں جواب دیں گے ۔"

مَیں اس بات کو انصاف پسند ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ کیا اس قسم کی ہیرا پھیریاں اور چالبازیاں ایک مولوی کا کام ہے۔ ستّر برس کی مولوی صاحب کی عمر ہوگئی اور اپنے رازدار مولویوں تک کو یہ پتہ نہ لگنے دیا کہ آپکا عقیدہ مہدی کے متعلق کیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایک طرف گورنمنٹ کو اور دوسری طرف پبلک کو مولوی صاحب اپنے اصل عقیدہ مہدی کے متعلق دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں اور ایک گول مول بات کر کے اسی سے کبھی کچھ مطلب اور کبھی کچھ مطلب نکال لیتے ہیں؟ اور اس ساری کارروائی سے غرض صرف یہ ہے کہ خوشنودی کی چٹھیاں اور زمین بھی ملجائے اور کفر کے فتوے کے بارگراں سے بھی بچے رہیں۔ مگر ایک متّقی انسان اس قابل شرم طریق کو اختیار نہیں کرسکتا۔ وہ تو جو کچھ اس کا عقیدہ ہو اسے معًا ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہاں اگر ایک وقت اسے غلطی لگ گئی ہے تو دوسرے وقت اصلاح کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں مگر دو رُخی کا طریق اختیار کرنا نہایت شرمناک طریق ہے۔

اب ستّر سال کی عمر میں مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعودؑ جنگوں کا خاتمہ کردیگا اور اسلام کو آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ذریعہ پھیلائیگا۔ شاید مولوی صاحب کو اس ساری عمر میں پہلی دفعہ بخاری پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا یہ حدیث ہی آپکی نظر سے پوشیدہ رہی بہرحال یہ وہی حدیث ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پندرہ سال سے پیش کر رہے ہیں جن کا مولوی صاحب آجتک مقابلہ کرتے رہے بہرحال یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں سے ایک جو مولوی بلکہ اہلحدیث کے ایڈووکیٹ کہلاتے ہیں انہوں نے بھی آخر مہدی کے خطرناک عقیدہ سے توبہ کر کے ایک اچھا اور صحیح عقیدہ اختیار کر لیا خواہ مسلمانوں کے عام عقیدہ کی رو سے اب وہ کافر اور دجال ہی بنیں۔ یہانتک تو مولوی صاحب نے اچھا کیا مگر اس سے بڑھکر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ گویا یہی عقیدہ تمام مسلمانوں کا یا تمام فاضل مسلمانوں کا ہمیشہ سے ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کو آجتک کسی مسلمان نے سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش نہیں کیا۔ اور اسی سلسلہ کا عقیدہ جو اگر اب مولوی صاحب نے سول میں پیش کیا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ اقرار نہ کیا کہ اس عقیدہ میں سلسلہ احمدیہ کی خوشہ چینی کی گئی ہے۔

یہ تو مولوی صاحب کا عقیدہ متعلق مہدی کے ہے۔ اب ہم چند الفاظ میں عام مسلمانوں کا عقیدہ بیان کرتے ہیں چونکہ مولوی صاحب الحدیث فرقہ کے ممبر ہیں بلکہ اس فرقہ کا اپنے آپ کو ایڈووکیٹ لکھتے ہیں اس لیے یہ کافی ہوگا کہ الحدیث کی کتابوں میں سے عقیدہ آمد مہدی کی اصلیت دکھا دی جاوے۔ علاوہ ازیں مولوی محمد حسین صاحب نے خود اسی مضمون میں جو نواب صدیق حسن خاں کے ڈیفنس میں انہوں نے لکھا تھا اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جو عقیدہ آمد مہدی کے متعلق نواب صاحب نے اقتراب الساعة میں الحدیث کی طرف سے شائع کیا ہے وہی عقیدہ مہدی کے متعلق تمام مسلمانوں کا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کے صفحہ ۹۴ پر مولوی صاحب لکھتے ہیں "اور اگر صرف تجویز

و اعتقاد مہدی موعود بغاوت ہے تو اس سے مؤلف کتاب اقتراب کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا جن میں حضرت نکتہ چین بھی داخل ہیں (بجز بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال) قیامت سے پہلے مہدی کے آنیکے معتقد ہیں پھر چاہیئے تھا کہ بعض اہل اسلام رعایا برٹش گورنمنٹ کو (جنکا یہ اعتقاد ہے) باغی مقرر کرکے انکو پھانسی دینے یا دریائے شور سے پار بھجوانے کا مشورہ دیا جاتا" اور پھر صفحہ ۶۰ پر اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ نواب صدیق حسن خاں نے اقتراب الساعۃ میں یہ لکھا ہے کہ موعود مہدی کا یہ کام ہوگا کہ تمام کفار کو اسلام قبول کرنیکے لیے مجبور کریں اور جو اسلام قبول نہ کرے اسکو قتل کردیں مولوی صاحب لکھتے ہیں "اور مہدی موعود کی نسبت یہ کہنا یا ایسا اعتقاد رکھنا ترغیب بغاوت نہیں چنانچہ پہلے بھی ہم صفحہ ۹ و ۵۷ رسالہ یہ بات کہہ چکے اور بیان کرچکے ہیں کہ تمام اہل اسلام رؤسا اور رعایا برٹش گورنمنٹ کا (بجز چند مستثنیٰ اشخاص) یہی اعتقاد ہے" چونکہ اس مضمون میں نواب صدیق حسن خاں کی کتابوں کے حوالہ سے آمد مہدی کا عقیدہ بیان کیا جاوے گا لہذا اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اہلحدیث نواب صدیق حسن خاں کو کیا سمجھتے ہیں اور انکے نزدیک انکی کیا وقعت ہے۔ اور اس میں بھی ہم مولوی صاحب کی تحریر کا ہی حوالہ دیں گے۔ مولوی صاحب نواب صاحب کے اول المعتقدین میں سے ہیں اور سب سے پہلے آپ نے ہی نواب صاحب کے مجدد ہونیکا دنیا میں اعلان کیا۔ چنانچہ اسی رسالہ کے صفحہ ۴۷ پر آپ لکھتے ہیں۔ کہ "ہاں نواب صاحب کو اس فرقہ کے بعض اشخاص نے مجدد ضرور تسلیم کرلیا ہے اور سب سے پہلے جس نے یہ لقب ان کے لیے تجویز کیا ہے وہ یہی خاکسار ایڈیٹر ہے" اب اگرچہ مولوی صاحب غیر مقلد ہونیکا عذر لوگوں کو سنا کر نواب صاحب کی مجددیت کی کتنی ہی تاویل کریں مگر جس شخص کی بات ہی قابل اتباع نہیں وہ مجدد خاک کا ہوگا؟ تعجب ہے کہ اس امر کو تو تسلیم کیا جائے کہ اس حدیث شریف کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کریگا جو دین کی تجدید کریگا نواب صدیق حسن خاں کی مجددیت کا اعلان کیا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ اس کی کوئی بات قابل اتباع نہیں۔ اور بالفرض اگر مولوی محمد حسین انکا اتباع نہ بھی کریں تو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عام اہلحدیث اپنے مجدد کی ہی اتباع کریں گے۔ ایک بات اور بھی صاف کرنی ضروری ہے۔ جس کتاب سے میں اہلحدیث کا عقیدہ متعلق آمد مہدی پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اقتراب الساعۃ ہے جس کے ٹائٹل پیج پر مصنف کا نام نور الحسن لکھا گیا ہے جو نواب صدیق حسن خاں کا بیٹا تھا۔ مگر بہت سے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مصنف اس کتاب کے نواب صاحب خود ہی تھے چنانچہ جب نواب صاحب پر الزام لگائے گئے تو منجملہ دوسری کتابوں کے جو انکی تصنیفات میں تھیں اقتراب الساعۃ بھی ایک کتاب تھی بلکہ مولوی محمد حسین نے خود بھی جو ڈیفنس نواب صاحب کی طرف سے لکھا ہے اس میں انہوں نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ یہ تصنیف نواب صاحب کی ——— ہے بلکہ اسکو نواب صاحب کی تصنیف تسلیم کرکے ڈیفنس لکھا ہے۔ اس لیے ہم اقتراب الساعۃ سے اہلحدیث کے عقاید کو پیش کرتے ہیں اور یہ وہ عقاید ہیں جن کو مولوی محمد حسین نے بھی

تسلیم کیا ہے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ مہدی کے متعلق یہی ہے۔
اقتراب الساعہ سنہ ۱۳۰۱ ہجری یا ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب میں مہدی کے عقیدہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۷۶ پر مہدی سوڈانی کا تذکرہ ہے کہ وہ تمام عیسائیوں کو تہ تیغ کریگا اور ایسا ہی دوسرے تمام کفار کو۔ اسکا ذکر کرکے صفحہ ۱۸۱ پر نواب صاحب لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں جو مضمون اس جواب کا ہے بے شبہ مہدی موعود یہی کام کریں گے یعنی مسلمانوں کو اتباع کتاب و سنت پر کفار کو اسلام پر مجبور کردیں گے ساری دنیا میں سوائے دین اسلام کے کوئی دین دوسرا باقی نہ رہے گا جو انکی مخالفت کریگا وہ ہلاک ہو جاویگا خواہ نام کا مسلمان ہو یا اور کوئی ہو" اسی کتاب کے صفحہ ۹۴ پر مختصر الفاظ میں مہدی کی تبلیغ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ "جزیہ لینا موقوف کردیں گے۔ خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلاویں گے جو نہ مانے گا مارا جاویگا" پھر صفحہ ۸۰ پر مہدی کے غلبہ کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔
"پھر تو زمین مہدی کے ہاتھ میں آجاویگی۔ اسلام اپنا کاندھا ڈالدیگا سارے بادشاہ روئے زمین کے داخل اطاعت ہو جاویں گے مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کے روانہ کریں گے یہاں کے بادشاہ طوق گردن ہو کر انکے پاس حاضر کیے جاویں گے۔ سارے خزانے ہند کے بیت المقدس بھیجدیے جاویں گے وہ سب خزائن حلیہ بیت المقدس ہوں گے" اور پھر صفحہ ۱۴۹ پر اس کی اور بھی تفصیل ان الفاظ میں کی ہے کہ "انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کریں گے مشرق سے مغرب تک لے لیں گے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر ان کے سامنے لاویں گے انکے خزائن بیت المقدس کا زیور ہوگا" اس کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں ہند میں اب تو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں ٹھیک بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں غالباً اسوقت تک بھی یہی عالم یہاں کے رہیں گے انہیں کو انکے روبرو لے جاویگا یا اسوقت تک کسی اور قوم کی حکومت اسجگہ قایم ہو جاوے اللہ ہی کو خبر ہے" ایسے اعتقادات کا اظہار بار بار کیا گیا ہے
مثلاً حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۲ میں ہے۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الھند لکم جیش یفتح اللہ علیہم حتی یاتوا بملوکھم مغللین بالسلاسل یغفر اللہ ذنوبھم فینصرفوا حین ینصرفوا فیجدون ابن مریم بالشام اخرجہ نعیم بن حماد و ایں صریح است در انکہ مراد ازیں غزوہ ہند در زمان مہدی و عیسیٰ علیہم السلام است و لہٰذا در روایت دیگر آمدہ کہ ابوہریرہ نزد وفات خود وصیت کرد با بلاغ سلام خود بحضرت عیسیٰ علیہ السلام گویا ایں غزوہ و عیسیٰ را در زمان واحد گمان کردہ پس شبہ نیست کہ مراد بداں غزوہ آخریں ہند است کہ دراں ملوک او را گرفتار کردہ بیارند" اور پھر حجج الکرامہ صفحہ ۳۷۴ میں ہے۔ "پس تمام روئے زمین بقبضۂ اقتدار مہدی علیہ السلام آید و اسلام قرار گیرد و گردن اندازد و جمیع ملوک ارض حلقۂ اطاعتش بگوش کشند و لشکرے بر ہندوستان فرستد و فتح گردد و ملوک ہند را غل کردہ پیش او آرند و خزائن ایں کشور را زیور

بیت المقدس ساز ند و در یں حال ہفت سال مکث کند" یعنی اس کے بعد تمام زمین مہدی علیہ السلام کے قبضۂ اقتدار میں آ جائیگی اور اسلام قرار پکڑیگا اور گردن ڈالیگا اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت قبول کریں گے اور وہ ہندوستان پر ایک لشکر بھیجے گا اور یہ ملک فتح ہو جائیگا۔ اور ہندوستان کے بادشاہوں کو زنجیریں ڈالکر اس کے سامنے لاویں گے اور اس ملک کے خزانوں کو بیت المقدس کا زیور بنائیں گے۔ ایسا ہی سراج وہاج مولفہ نواب صدیق حسن خاں) جلد دویم صفحہ ۴۵ باب نزول عیسیٰ بن مریم میں ہے۔ " ویضع الجزیۃ قال النووی الصواب فی معناہ انہ لا یقبلھا ولا یقبل من الکفار الا الاسلام ومن بذل منھم الجزیۃ لم یکف عنہ بھا بل لا یقبل الا الاسلام او القتل ھکذا قالہ الخطابی وغیرہ من العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ والصواب عند المؤلف ایضًا ھذا المعنی" جس کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث و یضع الجزیۃ کی تشریح کرتے ہوئے نواب صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ جزیہ کو قبول نہیں کریگا اور کفار سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہیں کریگا۔ اور پھر لکھا ہے کہ مؤلف یعنی نواب صدیق حسن خاں کے نزدیک یہی معنی صحیح ہیں۔

ان عقاید کے خطرناک ہونے پر جو کچھ مولوی محمد حسین نے لکھا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایسا عقیدہ باغیانہ نہیں کہلا سکتا جبتک کہ ساتھ اس کے یہ دو باتیں بھی نہ کہی جاویں اوّل یہ کہ مہدی کا ظہور اسی سلطنت کے زمانہ میں ہوگا اور دویم یہ کہ مسلمانوں کو اس کی اعانت کرنیکے لیے تیار ہونا چاہیئے۔ اب اوّل تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس عقیدہ کو اس اشتہار میں جو مولوی محمد حسین کے مضمون کی بنا ہے باغیانہ نہیں کہا اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ سب مسلمان جو مہدی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں وہ درحقیقت گورنمنٹ کے باغی ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ ایسا عقیدہ خطرناک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اس قسم کی مہدویت کا دعویٰ کرے تو اس کا نتیجہ لازماً جنگ اور ملک میں بدامنی ہوگی۔ اس کا جواب یہ دینا کہ جبتک اس کے ساتھ سارے نشان ظاہر نہ ہوں گے کوئی اسکو قبول نہیں کریگا دھوکہ دینا ہے کیونکہ مہدی سوڈانی کے ساتھ کونسے نشان ظاہر ہوئے تھے جو ہزارہا مسلمان اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص تلوار لیکر دعویٰ کرے اس کے تو اس دعوے سے ہی عوام اس کے گرد اکٹھے ہو جانیکے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور نشانوں کا نام بھی نہیں لیتے ہاں جب ایک شخص صلح کا پیغام لیکر آیا تو اسوقت باوجود ہزاروں نشانوں کے دکھانیکے اسے قبول نہ کیا گیا۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ عقیدہ خطرناک ہے۔ اور یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھے تھے جن پر مولوی محمد حسین کو اسقدر طیش آیا ہے۔ مگر جو وجوہ اس عقیدہ کے باغیانہ ہونیکے مولوی محمد حسین نے دیئے ہیں ان میں بھی سراسر دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جبتک یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ مہدی اسی سلطنت یعنی سلطنت انگریزی کے زمانہ میں ظاہر ہوگا تب تک یہ عقیدہ باغیانہ نہیں لیکن کیا مولوی صاحب

یہ بتا سکتے ہیں کہ اس عقیدہ کا یہ بھی کوئی جزو ہے کہ اس سلطنت کے زمانہ میں مہدی نہیں آئیگا جو حدیثیں مہدی کی ہندوستان پر چڑھائی کرنیکی پیش کیجاتی ہیں کیا ان میں سے کسی حدیث میں یہ بھی لفظ ہیں کہ جبتک انگریزی سلطنت ہندوستان میں رہے گی اسوقت تک مہدی کا ظہور نہیں ہوگا؟ اگر ایک جھوٹا دعویدار کل ہی کھڑا ہوجائے تو کیا مولوی صاحبان اسکو یہ جواب دیں گے کہ مہدی انگریزی سلطنت کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوسکتا اس لیے ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے ہ یہ عذر نہایت نامعقول ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان نے تو مہدی کے بہت ہی جلدی ظاہر ہونیکی بڑی امید ظاہر کی ہے بلکہ یہانتک لکھا ہے کہ غالباً یہی انگریز اس کے سامنے طوق ڈالکر حاضر کیے جاوینگے مگر ان باتوں کو چھوڑ کر بھی اس عقیدہ پر جو خطرناک ہونیکا الزام ہے وہ ایسے بیہودہ عذروں سے دُور نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ضرور مہدی اسی سلطنت کے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ دوسرا عذر مولوی صاحب نے یہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس کی مدد کرنا ضروری نہیں اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا آنا ہی لغو ہے۔ پھر اقتراب الساعۃ میں لکھا ہے کہ لوگ اس کے گرد اسطرح جمع ہونگے جسطرح یعسوب کے گرد مکھیاں۔ مولوی محمد حسین نے خود اس عقیدہ کے خطرناک ہونیکو تسلیم کیا ہے۔ سول میں جو مضمون مولویصاحب نے لکھا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ مہدی کا عقیدہ ایسے خطرناک نہیں کہ فاضل مسلمان ایسے مہدی کا انتظار نہیں کرتے جو جنگ کریگا۔ اس سے بھی یہ تو پایا جاتا ہے کہ جو مسلمان جنگ کرنیوالے مہدی کا انتظار کرتے ہیں انکا عقیدہ خطرناک ہے۔ اور مولوی صاحب اس کے خطرناک ہونیکو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ۱۸۹۰ء میں جب مولوی محمد حسین نے فہرست مضامین اشاعۃ السنہ انگریزی زبان میں چھپوائی تھی جسکی غرض یہ تھی کہ گورنمنٹ کے افسروں کو اپنی خدمات دکھائی جاویں تو اس فہرست کے سر پر عنوان مولوی صاحب نے یہ لکھا تھا "اشاعۃ السنہ کے ان مضامین کی فہرست جن میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کا مقابلہ کرنیکی ممانعت ثابت کی گئی ہے اور جہاد کی اصل حقیقت کو دکھایا گیا ہے" اور پھر اسی فہرست میں ایک مضمون کا حوالہ ان الفاظ میں دیا "احادیث متعلقہ مہدی پر جرح اور وہ دلایل جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے" اب ہر ایک شخص آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس مضمون کو (جس میں محمد حسین بٹالوی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس میں ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت کیا گیا ہے جو مہدی کے متعلق ہیں)۔ اس فہرست میں درج کرنیسے صاف منشا لکھنے والیکا یہ پایا جاتا ہے کہ وہ عام عقیدہ مہدی کو جو حدیثوں پر مبنی ہے گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کے مقابلہ میں داخل سمجھتا ہے۔ مولوی صاحب خود ہی بتادیں کہ آیا جو عنوان فہرست کا تھا مضامین بھی اسکے مطابق اس میں لکھے گئے تھے۔ یا کوئی ایسے مضامین بھی تھے جن کا تعلق عنوان سے کوئی نہ تھا۔ مولوی صاحبان کا اختیار ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو جو چاہیں کہیں کیونکہ راستبازوں سے ہمیشہ دنیا کا یہی سلوک چلا آیا ہے لیکن اگر ایک بھی انصاف پسند ان میں موجود ہے تو اسے اپنے بھائیوں کو توجہ دلانی چاہیئے کہ یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو

تو اسوجہ سے گالیاں دیجاتی ہیں کہ وہ خونی مہدی کے عقیدہ کو خطرناک کہتے ہیں لیکن ایک شخص کو باوجود اس صاف اقرار کے کہ مہدی کی آمد کا عام عقیدہ جس کی بنا حدیثوں پر ہے گورنمنٹ کی بغاوت یا گورنمنٹ کے مقابلہ کے برابر ہے کچھ بھی نہیں کہا جاتا اور اتنا بھی اس سے پوچھا نہیں جاتا کہ تم کس شیخی پر حضرت مرزا صاحب کے ان الفاظ کو کہ مہدی کا عقیدہ خطرناک ہے محل اعتراض ٹھہراتے ہو جب تم خود اسی عقیدہ کو ان مضامین کی فہرست میں درج کر چکے ہو جن کو تم نے گورنمنٹ کی بغاوت اور گورنمنٹ کے مقابلہ کے مضامین ٹھہرایا تھا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمانوں میں بعض نے مہدی کے آنیکا انکار کیا ہے مگر دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے منکرین کا اثر کبھی عامہ اہل اسلام پر نہیں ہوا۔ ۱۸۸۶ء میں خود مولوی محمد حسین نے ایسے منکرین کو چند مستثنیٰ اشخاص بتایا ہے اور وہ بھی اہل حدیث میں سے جن میں سے نام صرف ایک ہی کا بتایا ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے بعض فرقوں کا نام لیا ہے جو منکرین معجزات ہیں جیسے نیچری زمانہ حال میں یا جیسا کہ اب سوال میں مولوی صاحب نے لکھا ہے معتزلہ اور جہمیہ فرقہ کے لوگ۔ مگر باوجود ان منکرین کے مولوی صاحب کو خود یہ اقرار کرنا پڑا ہے جو انکے مضمون ڈیفنس نواب صدیق حسن خاں میں ۱۸۸۶ء میں پایا جاتا ہے اور پھر تیرہ سال بعد جواب کشف الغطا میں موجود ہے کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں کا عقیدہ مہدی کے متعلق وہی ہے جو نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں حجج الکرامۃ اقتراب الساعۃ وغیرہ میں ظاہر کیا ہے یعنی یہ کہ مہدی موعود تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو پھیلائیں گے اور جو کافر مسلمان ہونیسے انکار کریگا اسکو تلوار سے کاٹ ڈالیں گے۔ پس پہلی بات جو ایسے منکرین مہدی کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس کا اثر عام طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس سے اصل خطرناک عقیدہ میں کچھ تزلزل واقع ہوا ہے۔ مہدی کا انکار جہاں کہیں جن چند مستثنیٰ اشخاص میں پایا جاتا ہے وہ صرف اسی حد تک رہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی رائے کو ظاہر کر دیا مگر فرقہ احمدیہ نے جو خونی مہدی کا انکار کیا ہے تو اسے محض رائے تک محدود نہیں رکھا بلکہ بڑے زور سے خونی مہدی کے آنیکے خیال کو باطل ثابت کیا ہے اور نہایت پُر زور کوششیں اسکو مسلمانوں کے دلوں سے دُور کرنیکی کی ہیں اور لاکھوں دلوں کو اس سے صاف کر دیا (حتیٰ کہ اس سلسلہ کے ایک سخت سے سخت مخالف کو بھی اس عقیدہ کا قایل کر دیا) اور بہت سی کتابیں عربی فارسی اردو انگریزی میں شایع کرکے اسے مختلف بلاد اسلامی میں شایع کیا۔ یہ ایک خصوصیت ہے جو خونی مہدی کے انکار میں سلسلہ احمدیہ کو حاصل ہے۔ دوسری بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پہلے مہدی کا انکار کیا ہے وہ مطلق اس کے آنیسے منکر رہے ہیں خواہ وہ ابن خلدون ہو یا جہمیہ یا معتزلہ یا نیچری فرقہ کے کوئی ممبر یا کوئی اس زمانہ کا چھپا ہوا اہلحدیث جسکو آجتک کھلے لفظوں میں انکار کرنیکی جرأت بھی نہیں ہوئی۔ اسطرح پر ان سب منکرین مہدی نے گویا اصلی پیشگوئی کا ہی انکار کیا ہے مگر سلسلہ احمدیہ ان سب منکرین سے الگ کھڑا ہے وہ اصل پیشگوئی کو سچا ٹھہراتا ہے مگر صرف یہ

کہتا ہے کہ جو خیال عام طور پر مسلمانوں نے دلوں میں بٹھا لیا ہے کہ مہدی کے ہاتھ پر اسلام کا غلبہ تلوار کے ذریعہ سے ہوگا یہ خیال غلط ہے۔ مہدی ضرور آنیوالا ہے اور آگیا ہے مگر جو غلبہ اس کے ہاتھ سے اسلام کو حاصل ہونیوالا ہے وہ حجج و براہین کے ذریعہ اور آسمانی نشانوں سے ہوگا نہ تلوار کے ذریعہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیم دلوں پر اثر کرنیوالی ہے۔ جن لوگوں نے ایسے مہدی کا آنا مانا جو تلوار کے زور سے تمام روئے زمین پر غلبہ کریگا انہوں نے بھی غلطی کی اور جنہوں نے قطعاً اس پیشگوئی سے ہی انکار کر دیا انہوں نے بھی غلطی کی۔ اور ان غلطیوں کا ازالہ کرنیوالا سلسلہ احمدیہ کا مقدس بانی ہوا جس نے بیّن دلایل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ جسطرح یہودیوں کو ایک مسیح کے آنیکا وعدہ دیا گیا تھا مگر تمنائے نفس سے انہوں نے اس مسیح کی آمد کے ساتھ ایسی باتوں کو ملا لیا کہ وہ تلوار لیکر آئیگا اور دنیا کی بادشاہت اسکو ملے گی۔ اور تلوار کے ذریعہ وہ یہودیوں کو دوسری قوموں پر غلبہ دیگا اور اسی لیے جب وہ آنیوالا مسیح صلح اور امن کا پیغام لیکر آیا تو اسے رد کیا گیا۔ اسی طرح خدائی وعدہ یہ تھا کہ اخیر زمانہ میں ایک مسیح اور مہدی آنیوالا ہے مگر اس کے ساتھ یہ باتیں لوگوں نے از خود ملا لیں کہ وہ مہدی اور مسیح تلوار پکڑ کر دنیا کی کُل قوموں سے جو مسلمان نہیں ہیں جنگ کریں گے اور جو دین اسلام میں داخل نہ ہوگا اسے مار ڈالیں گے اور زمین کو خون سے بھر دیں گے۔ پیشگوئیاں تو دونوں صحیح تھیں اور ہیں مگر جو غلط امیدیں لوگوں نے دلوں میں بٹھا رکھی ہیں وہ غلط ہیں اور وہی ان لوگوں کی راہ میں روک ہو گئی ہیں جنکو خدا کے مرسل کا پہچاننا نصیب نہیں ہوا۔ پس دوسری خصوصیت جو سلسلہ احمدیہ کو خونی مہدی کے انکار کے متعلق حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے دوسرے منکرین کی طرح یہ غلطی نہیں کھائی کہ اصل پیشگوئی کا ہی انکار کر دے بلکہ جو بات صحیح تھی اسے صحیح کر دکھایا اور جو غلط تھی اسے غلط کر دکھایا اور یہی عقیدہ سلسلہ احمدیہ کا آج مولوی محمد حسین نے لیکر رسول میں پیش کر دیا ہے۔

ایک بات اور صرف مولوی صاحب کو کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ دو رُخی کو تو انہوں نے آخر چھوڑ دیا مگر اب ناشکرگذاری کا پہلو لے لیا۔ اگر انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے عقیدہ مہدی کو صحیح سمجھ کر اسے اختیار کیا تھا تو انہیں واجب تھا کہ اس سلسلہ کے شکرگذار رہتے اور بانی سلسلہ کے مسلمانوں پر اس عظیم الشان احسان کا تذکرہ کرتے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر الله۔ اور یہ مولوی صاحب نے بالکل جھوٹ کہا ہے کہ انکار مہدی سے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا۔ کیونکہ وہ خود ایک دفعہ اسی انکار کی وجہ سے کافر دجال ضال مضل قرار دیئے جا چکے ہیں اگر وہ پچھلی اشاعت کو کافی نہ سمجھتے ہوں تو ہم از سرِنو یہ فتویٰ شایع کر سکتے ہیں۔ بقیہ الزامات کا جواب انشاء اللہ اگلی اشاعت میں دیا جاویگا۔
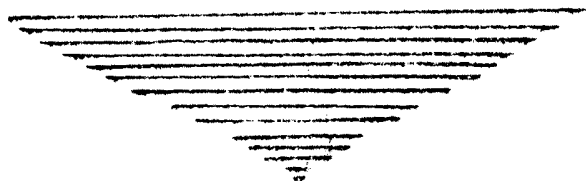
پیشگوئی متعلقہ ڈوئی پر کچھ اور رائیں

اخبار ڈ ٹِول گزٹ ۷ جون ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں لکھتا ہے:-

ہندوستان میں ایک مسیح -

ہندوستان میں قادیان ضلع گورداسپور سے ایک رسالہ ہمارے گزٹ کے پتہ پر آیا ہے جسکا نام ہے ڈوئی کی موت میں خدائی فیصلہ کا اظہار یا ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا۔ ہماری اشاعت ہندوستان میں بہت ہی کم ہے لہٰذا اس رسالہ کا ہمارے نام آنا ایک تعجب کی بات تھی مگر جب اس کے مضامین کو پڑھا گیا تو وہ تعجب اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس رسالہ کا مضمون رسالہ ریویو آف ریلیجنز اپریل کے پرچہ سے منقول ہے جو قادیان میں مذہب اسلام کی تائید میں شایع ہوتا ہے۔ اور مرزا غلام احمد صاحب کے جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں حالات اور تعلیم کو بیان کرتا ہے یہی وہ احمد ہے جو کہتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں جب ڈوئی نے اسلام پر ایک حملہ کیا اور اسکی تباہی کی پیشگوئی کی۔ تو انہوں نے یہ پیشگوئی شایع کی کہ شکاگو کا الیاس میری آنکھوں کے سامنے بڑے دُکھ اور حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ اسوقت ڈوئی دنیوی اقبال کے معراج پر تھا۔ کثیر دولت کا مالک تھا اور ہزاروں مرید اسکے ایسے معتقد تھے کہ اسکی ہر ایک بات کو تسلیم کرتے تھے اور وہ ایک تندرست اور توانا آدمی تھا جو احمد سے کئی سال عمر میں چھوٹا تھا اس لیے اگر احمد اور انکے پیرو اس پیشگوئی کے جو چند ماہ ہوئے پوری ہوگئی نہایت صحت کے ساتھ پورا ہونے پر فخر کریں تو انپر کوئی الزام نہیں۔

مگر احمد لوگوں کو یہی نہیں کہتا کہ ڈوئی کے متعلق جو میری پیشگوئی صحت کے ساتھ پوری ہوئی ہے اسی کی بنا پر مجھے قبول کرلو۔ انکا عجیب و غریب دعویٰ انکے اپنے الفاظ میں یہ ہے "میں وہ سچا مسیح ہوں جو اخیری زمانہ میں آنیوالا تھا۔ یہ خدا نے مجھے فرمایا ہے۔ میں صرف اپنی دعوے سے ہی مسیح موعود نہیں بنتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو میری دعوے کی صداقت کے گواہ بنایا ہے۔ خدا کی گواہی ان سیکڑوں آسمانی نشانوں میں ظاہر ہوئی ہے جو خدائے تعالیٰ نے میری تائید میں دکھائی ہیں...... ہزاروں دفعہ بلکہ میں گن بھی نہیں سکتا کہ کتنی دفعہ خدا نے میرے دعوے کی سچائی کو ظاہر کیا ہے۔"

ایسی شہادت کی کسیقدر تفصیل جس کا دعویٰ احمد نے کیا ہے بڑی دلچسپی سے پڑھی جائیگی۔ مگر اس رسالہ میں جو ہمارے پاس پہنچا ہے سوائے ڈوئی کی پیشگوئی کے پورا ہونیکے اور زلزلہ اور طاعون کے متعلق بعض اور عام پیشگوئیاں پورا ہونیکے اور کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ بھی اس رسالہ میں ذکر ہے کہ حال میں ہی احمد نے سخت زلزلوں کے آنیکی چند اور پیشگوئیاں کی ہیں مگر انکی ٹھیک ٹھیک جگہ نہیں بتلائی کہ وہ کہاں آئیں گے۔ اور خطرناک مصائب کا دنیا پر آنا بھی بتایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگروہ نہ آئے ہوتی تو یہ مصائب ابھی دنیا پر نہ آتے ...... اگروہ جگہ اور تاریخ کی تھوڑی سی اور تعیین کریں تو ہم میں سے اُن لوگوں کے لیے جو ابھی انکے دعووں کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں بہت مفید ہوگا۔"

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

قریباً ۸۔ اگست ۱۹۰۶ء (۱) شرّفنا بکلامٍ منّا۔ ترجمہ۔ ہم نے اپنے کلام سے مشرف کیا۔ (۲) شرّفنا باکرامٍ منّا۔ ترجمہ۔ ہمنے اپنے اکرام سے مشرف کیا۔ (۳) سلامٌ۔ (۴) انّی مبشرک۔ ترجمہ۔ مَیں بشارت دینے والا ہوں۔ (۵) انّ اللہ معنا۔ ترجمہ۔ خدا ہماری ساتھ ہے (۶) انی مع اللہ۔ ترجمہ۔ مَیں خدا کے ساتھ ہوں۔ ۱۳۔ اگست ۱۹۰۶ء (۱) عبرت بخش سزائیں دی گئیں۔ (۲) انی من الناظرین۔ ترجمہ۔ مَیں دیکھنے والوں میں سے ہوں۔ (۳) انی انزلت معک الجنۃ۔ ترجمہ۔ تیری ساتھ بہشت کو اُتارا ہی۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ آج ہماری گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ سلم آئے۔ آگئے۔ عزت اور سلامتی۔ ۱۷۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ انّ خبر رسول اللہ واقعٌ۔ ترجمہ۔ رسول اللہ نے جو خبر بتلائی تھی وہ واقع ہونے والی ہی۔ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہی کہ کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہی۔ ۱۸۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ صبح نماز سے پہلے کشف میں دیکھا کہ "ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے جو خوب زور سے چمکتا ہوا شمال مشرق کی جانب سے سیدھا سر تک آکر گم ہو گیا ہی"۔ فرمایا۔ آج ہی ہماری لڑکی نے بھی رؤیا میں دیکھا کہ آسمان پر ستارے ٹوٹتے ہیں اور دھواں ہو کر چلے جاتے ہیں ایک فرشتہ پاس کھڑا ہی جو کہتا ہی کہ یہ دشمن مرتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ خواب شاید ہماری خواب کی تعبیر ہے۔ ہماری لڑکی کو خواب بہت آتے ہیں اور اکثر سچے ہوتے ہیں۔ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ آید آں روزے کہ مستخلص شود۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ (۱) اِنّ الّذین کفروا و صدّوا عن سبیل اللہ سینالھم غضب من ربھم۔ ترجمہ۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ کے راہ سے روکا۔ انکو ان کے رب سے غضب پہنچیگا۔ (۲) یومَ تأتی السماءُ بدخانٍ مبین۔ ترجمہ۔ جس دن آسمان کھلے طور پر دھواں لائیگا۔ (۳) انّ خبر رسول اللہ واقع۔ ترجمہ۔ اللہ کے رسول نے جو خبر دی تھی وہ واقع ہونیوالی ہی۔ (۴) لا تحزن انّ اللہ معنا۔ ترجمہ۔ غم نہ کر تحقیق اللہ ہماری ساتھ ہی۔ (۵) اِنّ ربّی کریمٌ قریبٌ۔ ترجمہ۔ تحقیق میرا رب سخی ہی اور نزدیک ہے۔ (۶) انّہ فضل ربّی۔ انہ کان بی حفیا۔ ترجمہ۔ میرے رب نے فضل کیا وہ مجھ پر مہربان ہی۔ (۷) اِنّی معک یا ابراھیم۔ ترجمہ۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں اے ابراہیم۔ (۸) لا تخف صدقتُ قولی۔ ترجمہ۔ تو کچھ خوف نہ کر مَیں نے اپنی بات کو سچی کر دکھایا یعنی سچی کرکے دکھاؤنگا۔ ۲۷۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب سخت تپ سے بیمار ہیں اور بعض دفعہ بیہوشی تک نوبت پہنچ جاتی ہی ...... انکی نسبت آج الہام ہوا۔ قبول ہوگئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔ یعنی یہ دعا قبول ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب موصوف کو شفا دی۔ یہ پختہ طور پر یاد نہیں ہا کہ کس دن بخار شروع ہوا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میاں صاحب کی صحت کی بشارت دی اور نویں دن تپ کے ٹوٹ جانیکی خوشخبری پیش از وقت عطا کی ہی نویں دن کی تصریح نہیں کی اور نہ ہو سکتی ہی لیکن یہ معلوم ہوتا ہی کہ تپ کی شدید حالت جس دن سے شروع ہوئی وہ ابتدا مرض کا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمام مریدوں کیلئے عام ہدایت

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب ویسرائے گورنر جنرل ہند اس تجویز کو طاعون کے علاج کے لیے پسند فرماتے ہیں کہ جب کسی گاؤں یا شہر کی کسی محلہ میں طاعون پیدا ہو تو یہ بہترین علاج ہے کہ اس گاؤں یا اس شہر کے اس محلہ کے لوگ جن کا محلہ طاعون سے آلودہ ہے فی الفور بلا توقف اپنے اپنے مقام کو چھوڑ دیں اور باہر جنگل میں کسی ایسی زمین میں جو اس تاثیر سے پاک ہے رہائش اختیار کریں سو مَیں دلی یقین سے جانتا ہوں کہ یہ تجویز نہایت عمدہ ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اُس شہر کے لوگوں کو چاہیئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں ورنہ وہ خدا تعالیٰ سے لڑائی کرنیوالے ٹھہریں گے۔ عذاب کی جگہ سے بھاگنا انسان کی عقلمندی میں داخل ہے کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ جب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتوحات ملک شام کے بعد اُس ملک کو دیکھنے کے لیے گئے تو کسیقدر مسافت طے کرنیکے بعد معلوم ہوا کہ اس ملک میں سخت طاعون کا زور ہے تب حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی واپس جانیکا قصد کیا اور آگے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تب بعض لوگوں نے عرض کی کہ یا خلیفۃ اللہ کیوں آپ ارادہ کو ملتوی کرتے ہیں کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں مَیں ایک تقدیر سے بھاگ کر دوسری تقدیر کی طرف جاتا ہوں۔ سو انسان کو نہیں چاہیئے کہ دانستہ ہلاکت کی راہ اختیار کرے۔

خوب یاد رکھو کہ جو کچھ یہ گورنمنٹ عالیہ کر رہی ہے اپنی رعایا کی بہبودی کے لیے کر رہی ہے اور رعایا کی جان کی حفاظت کے لیے ابتک کئی لاکھ روپیہ ضایع ہو چکا ہے۔ اس شخص جیسا کوئی نادان نہیں کہ جو گورنمنٹ کے ان کاموں کو بدظنی سے دیکھتا ہے۔ سو اے میری جماعت! تم اطاعت کرنے میں سب سے پہلے اپنا نمونہ دکھلاؤ اسی میں تمہاری بہتری ہے تم اب خدا کے فضل سے چار لاکھ کے قریب ہو اور تمہارا نمونہ بہتوں کی جان کو بچائیگا۔ مَیں تمہیں حکم کرتا ہوں کہ اگر تمہاری کسی شہر میں خدانخواستہ یہ وبا ظاہر ہو جائے تو سب سے پہلے تم اس زمین کو چھوڑ دو جو طاعون سے آلودہ ہے ہاں مَیں اسیقدر پر کفایت نہیں کرونگا کہ تم اُس زمین کو چھوڑ دو بلکہ اے خدا کے بندو! مَیں ابھی سے بھی تمہیں اطلاع دیتا ہوں

کہ یہ طاعون خودبخود اس ملک میں نہیں آئی بلکہ اُس خدا کے ارادہ اور حکم سے آئی ہے جس کے حکم کے ماتحت ذرّہ ذرّہ زمین اور آسمان کا ہے۔ اور مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ کثرت گناہوں کی وجہ سے وہ تمہارا خدا اہل زمین پر ناراض ہے سو تم توبہ اور استغفار کو لازم حال رکھو اور جیسا کہ تم اس زمین کو چھوڑو گے جو طاعون سے آلودہ ہے ایسا ہی تم اُن خیالات کو بھی چھوڑ دو جو گناہوں سے آلودہ ہیں۔ اے میری جماعت میں ہمیشہ تم میں نہیں رہونگا یہ میرے کلمات یاد رکھو کہ کوئی حادثہ زمین پر ظاہر نہیں ہوتا جب تک آسمان پر پہلے قرار نہ پالے۔ سو وہ خدا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے اس سے ڈرو اور ایک سچی تبدیلی پیدا کرلو تا تم عذاب سے بچائے جاؤ اور یاد رکھو کہ یہ طریق شوخی اور شرارت کا طریق ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت تم امن سے زندگی بسر کررہے ہو اور اسکی عنایات کو آزما چکے ہو تم اسپر بدگمانی کرو یا اسکے حکم کے مطابق نہ چلو اور تمہاری یہ بدقسمتی ہوگی کہ اسکے ان احکام سے جو سراسر تمہاری بھلائی کے لیے ہیں مُنہ پھیر لو۔ مَیں وہی بات کرتا ہوں جو تمہاری بھلائی کے لیے ہے مجھے ضرورت نہیں کہ میں گورنمنٹ کی خوشامد کروں کیونکہ ایک ہی آقا ہے جسکا مَینے دامن پکڑا ہے وہی جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ اور مَیں امید رکھتا ہوں کہ اُسوقت تک کہ مَیں مروں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونگا مگر اس بات کو کیونکر چھپایا جائے کہ درحقیقت یہ گورنمنٹ ہمارے لیے ایک محسن گورنمنٹ ہے اور بجز اس کے کہ ہم اس گورنمنٹ کے سایہ میں امن سے زندگی بسر کریں۔ ہمارے لیے ایک بالشت بھی ایسی زمین نہیں جو ہمیں پناہ دے سکے سو جس خدا نے ہمارے آرام اور امن کیلیے اس گورنمنٹ کو منتخب کیا ہے اسکے ہم ناشکر گذار ہوں گے اگر اس گورنمنٹ کا شکر نہ کریں۔ اور اگر مَیں اس رائے میں غلطی کرتا ہوں تو مجھے بتاؤ کہ اگر ہم اس گورنمنٹ کے ملک سے علیحدہ ہوجائیں تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہے۔ تم سُن چکے ہو کہ ہمارے مخالف مولوی جنکے ہم زبان اس ملک میں اور دوسرے ملکوں میں کروڑہا انسان ہیں صدہا رسالوں اور اشتہاروں اور اخباروں میں ہماری نسبت کفر کے فتوے شایع کرچکے ہیں اور نیز واجب القتل ہونیکی نسبت فتوے دے چکے ہیں بلکہ گذشتہ دنوں میں مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی جو موحدین کا ایڈووکیٹ کہلاتا ہے اور ایک اور صاحب سید محمد نام بھی فتویٰ ہمارے واجب القتل ہونیکے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شایع کرچکے ہیں۔ اب بتلاؤ کہ اس گورنمنٹ کے سوا تمہارا گذارہ کہاں ہے اور کونسی اسلامی سلطنت تمہیں پناہ دے سکتی ہے سو تم ہوشیار ہوجاؤ اور سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کرو اور کسی صلہ کی بھی خواہش نہ کرو کیونکہ یہ صلہ تھوڑا نہیں ہے کہ تمہاری عزت اور جان کا محافظ خدا تعالیٰ نے اسی گورنمنٹ کو ٹھہرایا ہے۔

یہاں اپنی جماعت کی اطلاع کے لیے اسقدر اور بڑھا دینا بھی ضروری ہے کہ گورنمنٹ نے بڑی مہربانی سے یہ ارادہ کیا ہے کہ جو لوگ ان تجاویز پر عمل کریں انکو ہر طرح سے مدد دے اور انکی سہولت کے لیے انتظام کرے۔ اسلیے ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ ایسے اضلاع میں جیسے مثلاً سرحدی ضلاع ہیں جہاں باہر میدانوں میں نکلنے میں جانوں کا خطرہ ہے اور خصوصاً احمدیوں کو جنپر مولوی لوگ قتل کے فتوے دے چکے ہیں گورنمنٹ اس انتظام کے علاوہ جو دوسری جگہ اس نے مالوں کی محافظت کیلیے کرنیکا ارادہ کیا ہے ایسی مقامات پر لوگوں کی جانوں کی حفاظت کا ۶۴

۶۴ بھی انتظام کریگی۔ پس جو لوگ باہر نکلیں انہیں چاہیئے کہ گورنمنٹ میں ایسی درخواست کریں کہ گورنمنٹ انکی جانوں اور مالوں کی محافظت کا کافی انتظام کرے۔ والدعا

چند ضرورتیں

(۱) احمدیہ انجمنیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ایک مقام پر احمدیہ انجمنیں بنائی جاویں اس کے لیے قواعد طبع کر کے بعض مقامات پر بھیجدیئے گئے ہیں جن احباب کو نہ پہنچے ہوں وہ طلب کریں۔ اور بہت جلد انجمنیں بنا کر فہرستیں افراد سلسلہ احمدیہ کی تیار کیجاویں۔ اور انکی اطلاع دفتر صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بھیجی جاوے۔ (۲) زکوٰۃ۔ مد زکوٰۃ سے چند وظایف بعض طلبائے مدرسہ اور بعض طلبائے دینیات اور بعض دیگر غربا کو دیئے جاتے تھے۔ مگر تین چار ماہ سے یہ مد مقروض ہو رہی ہے اور ضروری اخراجات رُکے پڑے ہیں۔ صاحب نصاب احباب توجہ فرماویں۔ (۳) واعظین۔ کی ضرورت ہے کہ وہ جہاں جہاں احمدی احباب ہوں دَورہ کر کے باقاعدہ انجمنیں بناویں اور اُنسے چندوں کی وصولی کا انتظام ماتحت قواعد شایع شدہ کریں۔ چونکہ ایسے واعظین کی جو دَورہ کر کے احمدی احباب کو اس سلسلہ کے مقاصد اور اغراض سے اور اسلام کی پاک تعلیم سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں مستقل ضرورت ہے اس لیے مدرسہ میں ایک شاخ دینیات بھی کھولی گئی ہے جسکی اصل غرض ایسے واعظین کا پیدا کرنا ہے۔ علاوہ دینیات کے اس شاخ میں طب پڑھائی جاتی ہے۔ اور فن کتابت بھی سکھایا جاتا ہے۔ چند ایسے طلبا بھی لیے جاسکتے ہیں جن کی تعلیم کی متکفل ہر طرح سے انجمن ہوگی مگر انکو یہ معاہدہ دینا ہوگا کہ وہ حسب منشائے انجمن تعلیم کی تکمیل کریں گے اور درمیان میں اس تعلیم کو نہ چھوڑینگے۔ اور بعد تکمیل تعلیم کم از کم پانچ سال کیلیے حسب منشائے انجمن کام کرینگے۔ اسکے متعلق جو احباب چاہیں ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء سے پہلے پہلے انکی درخواستیں دفتر ہذا میں پہنچ جانی چاہیئے۔

(الملتمس۔ خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔)

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو
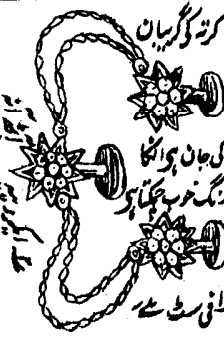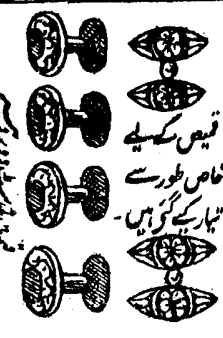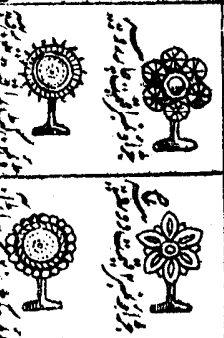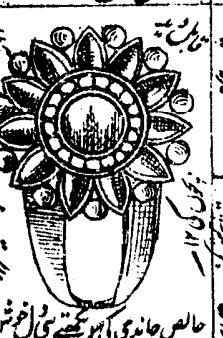
	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ	
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو
سالانہ	للعہ	صہ	وعہ	سہ	صعہ	عسہ
ششماہی	صعہ	سہ	صعہ	عہ	عہ	ععہ
سہ ماہی	صعہ	عہ	عہ	ععہ	۸عہ	سے
ایک دفعہ	۸عہ	سے	صہ	صہ	سے	سے

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں۔
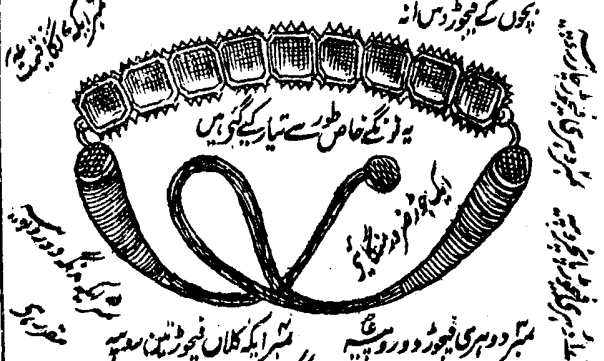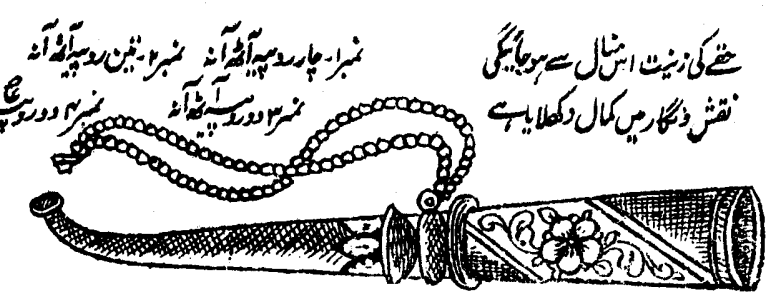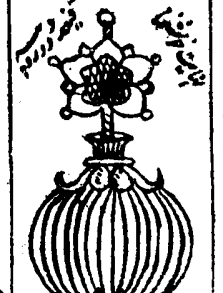
حضرات
اس کارخانہ کی معرفت ہر قسم کی زیورات نہایت خوشنما اور کم قیمت سے آپ کو دستیاب ہو سکتے ہیں مختصر فہرست ملاحظہ کے لیے پیش نظر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے جو چیز پسند ہو ضرور آرڈر دیجیے۔ کارخانہ کا مشہور پتہ حافظ رحیم الدین احمد زیور فروش شہر دہلی
طلائی ملمع شدہ جڑاؤ کرنپھول
چاندی کے نفیس بٹن
چاندی کے قمیص کے بٹن
ناک کی طلائی کیلین
طلائی ملمع شدہ جڑاؤ آرسی
قابل دید چاندی کی طلائی ملمع شدہ جڑاؤ بازو بند یا سہ نگے
قیمت دو روپیہ نمبر۲ ایک روپیہ چار آنہ بچوں کے لیے بارہ آنہ
چاندی کی نہایت نفیس قابل تعریف نونگے
یہ نونگے خاص طور سے تیار کیے گئے ہیں
چاندی کی کیری نما عطردانی
چاندی کے کان یا رنگ
چاندی کی منقش ڈبیہ
ایک ڈبیہ ضرور منگائیے
LOVE
نقش و نگار کی خوبی ملاحظہ سے ظاہر ہوگی
طلائی ملمع شدہ جڑاؤ جگنو
چاندی کی جڑاؤ انگشتری
چاندی کی سرمہ دانی
چاندی کی نہایت نفیس منقش منال
حقے کی زینت اس منال سے ہو جائیگی
نقش و نگار میں کمال دکھلایا ہے
نمبر۱ - چار روپیہ آٹھ آنہ نمبر۲ - تین روپیہ آٹھ آنہ
نمبر۳ دو روپیہ آٹھ آنہ نمبر۴ دو روپیہ